# تدلیساتُ الدکتور طاہر القادری

## شانِ ابوبکر، عمر و عثمان پر شیعہ کتب سے پیش کردہ روایات کی تحقیق

تحریر و تحقیق: جبران علی

عظمتِ صحابیت
اور
حقیقتِ خلافت
مكانة الصحبة وحقيقة الخلافة
شیخ الاسلام الدکتور محمد طاہر القادری

# ڈاکٹر طاہر القادری اور انکی کذب بیانی

ابو بکر اور عمر اور عثمان کی شان میں شیعہ کتابوں سے پیش کردہ

روایات پر تحقیق اور شبہات کا رد

تحریر و تحقیق : جبران علی

## فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## قارئین محترم!

جھوٹ بولنا ایک کبیرہ گناہ ہے جس بات سے کوئی بھی لاعلم نہیں چاہے وہ کسی بھی فقہ یا کسی بھی مذہب یا کسی بھی دین کا پیروکار ہی کیوں نہ ہو اسکی واضع دلیل قرآن مقدس میں اللہ پاک نے پیش بھی کی اور یہ بھی بیان کر دیا کہ جھوٹا ذلیل بھی ہوگا اور اس پر لعنت بھی ہوگی۔

## مخالفین کی روش:

محترم قارئین: مخالفین اپنے بزرگان یعنی ابوبکر بن ابی قحافہ، عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان کی فضیلت پر مبنی شیعہ روایات کو ہمیشہ خیانت وکذب بیانی سے پیش کرتے آئے ہیں۔ انہیں لوگوں میں سے تحریک منہاج القرآن کے بانی ڈاکٹر طاہر القادری صاحب بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب * **عظمت صحابیت وحقیقتِ خلافت** * میں ایک باب باندھا ہے جو کچھ یوں ہے

*فصل فیما روی فی فضلھم عن آئمۃ اھل البیت الاطھار فی کتب الشیعۃ الامامیہ*

یعنی *شیعہ امامیہ کی کتابوں میں صحابہ (ابوبکر، عمر وعثمان وغیرہ) کی شان کے متعلق آئمہ اہل بیتؑ سے مروی روایات* ...................! اس باب میں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے

ٹوٹل اٹھارہ (18) روایات (بقول ان کے) شیعہ کتابوں سے نقل کی ہیں جن پر ہم ان شاء اللہ کلام کریں گے کہ ان روایات کی کیا حقیقت ہے۔

## مخالف فریق سے کن روایات سے استدلال کیا جائے:

روایات کا جواب پیش کرنے سے پہلے ایک اصول کو بیان کرتے چلیں کہ جب آپ کسی پر اپنی طرف سے حجت تمام کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ آپ وہ چیز (جو بیان کرنا چاہتے ہیں) اپنے مدمقابل کو اس کی کتابوں سے دیکھائیں نا کہ اپنی کتابوں (کی روایات) سے حجت تمام کریں

کیوں کہ یہ کوئی علمی روش ہی نہیں کہ ایسی روایت کی بنیاد پر ایک مطلب کو ثابت کیا جائے جس کو شیعہ امامیہ اصلاً قبول ہی نہیں کرتے اہل سنت کے امام ابن حزم اندلسی (متوفی 406 ھجری) اپنی کتاب * الفصل فی الأھواء والملل والنحل * میں لکھتے ہیں

لا معنی لاحتجاجنا علیھم بروایاتنا۔ فھم لایصدقونھا ولا معنی لاجتجاجھم علینا بروایاتھم فنحن لا نصدقھا انما یجب ان یحتج الخصوم بعضھم علی بعض بما یصدقہ الذی تقام علیہ الحجۃ بہ۔

ہمیں اپنی روایات کے ذریعہ اہل تشیع کے خلاف استدلال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ہماری روایات کو قبول ہی نہیں کرتے اور اسی طرح اہل تشیع کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنی روایات کے ذریعے اہل سنت کے خلاف استدلال نہیں کریں کیونکہ اھل سنت ان کی روایات کو نہیں مانتے پس مخالف کے سامنے اس چیز سے استدلال کرنا چاہیئے جسے وہ قبول کرتا ہے اور حجت مانتا ہے۔

الفصل فی الأهواء والملل والنحل جلد 4 صفحہ 78

قارئین محترم! آپ مدمقابل سے کسی روایت سے حجت تمام کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ آپ وہ روایت پیش کریں جو مستند و معتبر ہو ایسا نہیں کہ آپ ضعیف روایت سے احتجاج کرنے لگ جائیں اس مرحلے میں سند یا اسناد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

اس کی اہمیت پر اہل سنت عالم افتخار احمد قاسمی بستوی اپنی کتاب

*اصطلاحاتِ تخریجِ احادیث و اصولِ دراسۃِ اسانید*

میں سند کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سند کی اہمیت و ضرورت:

سند یا اِسناد اس امت کی خصوصیت ہے جو دیگر امتوں میں نہیں پائی جاتی، اسی بناء پر، دیگر امتوں کی آسمانی کتابیں ضائع اور محرف ہوگئیں، جیسا کہ ان کے انبیائے عظام کی صحیح خبریں ضائع و محرف ہوگئیں، اور ان کی جگہ پر جھوٹے افراد کی کذب بیانی اور افترا پردازی آگئی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو چند کھوٹے سکوں کے عوض بیچ ڈالا خبروں کو نقل کرنے میں اسانید کے نقل کا اہتمام اس امت کی تاکیدی سنت رہی ہے جو ایک شعارِ اسلامی کا درجہ رکھتی ہے، اسی لیے ایک مسلمان پر لازم ہے کہ نقل احادیث میں اس پر اعتماد کرے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"الإسناد من الدین ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء"۔

(اصول تخریج الحدیث ص ۱۵۸)

اسناد دین کا ایک حصہ ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو کوئی شخص بھی جو چاہتا کہہ ڈالتا۔

اسی طرح سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"الإسناد سلاح المومن" اسناد مومن کا ہتھیار ہے، اسناد کی قدر و قیمت اس شخص کی نظر میں زیادہ آشکار ہوتی ہے جو سند کے رجال کو جانتا ہے جن سے ایک سند وجود میں آتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ کتبِ تراجمِ رجال میں رواۃ کے احوال کی چھان بین کی جائے، اور دیکھا جائے کہ سند کے رجال کا کہاں اتصال ہے اور کہاں انقطاع اور یہ بات واضح ہے کہ اگر اسناد نہ ہوتی تو صحیح احادیث و اخبار کا احادیث موضوعہ سے امتیاز مشکل ہو جاتا اور ہر باطل پرست اور بدعتی کو اختلاف و انتشار کی جرأت ہو جاتی اور معاملہ وہی ہو جاتا جو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "لولا الإسناد لقال من شاء ماشاء" اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی بھی کچھ کہنا چاہتا تو کہہ ڈالتا (اور کوئی رکاوٹ نہ رہتی)۔

کتاب: اصطلاحاتِ تخریجِ احادیث و اصولِ دراسۃِ اسانید مؤلف: افتخار احمد قاسمی بستوی صفحہ: 159,158

المختصر یہی کہ جس روایت سے استدلال کیا جائے وہ سنداً معتبر ہونی چاہیئے اور مدمقابل کی کتب سے ہونی چاہیئے نا کہ اپنی کتابوں سے کہ جس کو مدمقابل کے ہاں اصلاً قبول ہی نہیں جا سکتا۔

اب ہم بڑھتے ہیں ان روایات کی طرف جو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اپنی کتاب میں اس باب میں لائے ہیں۔

روایت نمبر 1: امیر المومنین ؑ نے فرمایا کہ رات کے وقت میں آپ (ابو بکر) کی بیعت کروں گا۔

شیخ ابوالحسن اردبلی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے (حضرت ابو بکر سے)
فرمایا: رات کے وقت میں آپ کی بیعت کروں گا۔ جب حضرت ابو بکر نے نماز ظہر پڑھ لی تو
آپ حضرت علیؓ کے (بیعت کے فیصلہ میں تاخیر پر) اعتذار (توجیہ) کو قبول کرتے
ہوئے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر حضرت علیؓ اٹھے اور حضرت ابو بکر کے حق میں تعریفی
کلمات کہے آپ نے ان کی فضیلت اور سبقتِ اسلام کا تذکرہ کیا۔ پھر حضرت ابو بکر کی طرف
بڑھے اور ان کی بیعت کر لی۔ لوگ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے کہا: آپ
نے صحیح فیصلہ کیا اور بہت بہتر کیا۔

أخرجه الإردبلي في كشف الغمة في معرفة الآئمة 101/2

**جواب: سب سے ہم پہلے قارئین کرام کو بتاتے چلیں کہ اس کتاب میں مؤلف علامہ ابوالحسن الآربلیؒ نے فضائل اہل بیت (علیھم السلام) پر شیعہ وسنی دونوں کتابوں سے روایات کو نقل کیا ہے اور اس میں اکثر علماءِ تسنن کی کتب سے روایات نقل کی گئی ہیں۔ ہمارے علماء کرام کی قوت امانت دیکھیں کہ انہوں نے علماء اہل سنت کے پورے اقوال کو نقل کیا ہے اگر اس میں مدح شیخین نظر آ بھی جائے تو اس کے ذمہ دار ہمارے علماء نہیں وہ تو بس ناقل ہیں یعنی انہوں نے تو فقط اس کو نقل کیا ہے۔**

**اب آتے ہیں روایت کی طرف جب ہم نے کتاب کی طرف رجوع کیا تو یہ روایت علامہ ابوالحسن اردبلیؒ نے اہل سنت کی کتاب سے نقل کی ہے اور اس روایت کو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب شیعہ روایت بنا کر پیش کر رہے ہیں۔**

دراصل علامہ اردبلی نے یہ روایت عروہ سے نقل کی اور اس ہی صفحہ 101 پر

عبارت یوں شروع ہوتی ہے: "وفی حدیث عروۃ" یعنی عروہ کی روایت کے مطابق پوری روایت نقل کرنے کے بعد علامہ اردبلیؒ صفحہ 104 پر لکھتے ہیں۔ :ھذا آخر ما ذکرہ الحمید یہ بات حمیدی نے ذکر کی ہے۔

حوالہ: کشف الغمہ جلد 2 صفحہ 104 طبع دار الأضواء بیروت لبنان

علامہ حمیدی اہل سنت کے محدثین میں سے ہیں اور یہ روایت جو کشف الغمہ میں نقل ہوئی ہے اس کو علامہ حمیدی نے اپنی کتاب ﴿الجمع بین الصحیحین جلد 1 صفحہ 87,86 طبع دار ابن حزم﴾ میں نقل کی ہے۔ ہم نے شروع میں ابن حزم اندیلسی کا قول نقل کیا تھا کہ جب آپ مخالفین پر استدلال کریں گے تو ان کی کتب کی روایات سے کریں گے نا کہ اپنی کتب سے.............. پس ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے جو روایت کشف الغمہ سے نقل کی ہے وہ دراصل اہل سنت عالم کی کتاب سے نقل کی گئی تھی اس روایت کا شیعہ روایت ہونے سے دور دور تک کوئی واسطہ ہی نہیں ہے پس ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے یہاں خیانت کرتے ہوئے سنی روایت کو شیعہ روایت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہاں اہلسنت کو دیکھنا چاہیے کہ ان کے علماء کی علمی حالت کیا ہے اور سچ اور جھوٹ میں کتنا فرق کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں بس حق کو بیان کرنا ہے جو کہ اہل حق سمجھتے بھی ہیں اور اس بات کو مانتے بھی ہیں۔

## کیا شیخ ابن ابی الحدید شیعہ امامی تھے؟

دوسری اور تیسری روایت میں جو قادری صاحب نے شرح نہج البلاغہ ابن ابی

الحدید سے پیش کی ہیں ۔ان کو روایات کو پیش کرنے سے پہلے ہم یہ ذکر کرتے چلیں کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب نے "ابن ابی الحدید" کو شیعہ امامی سمجھ کر اس باب میں اس کتاب سے روایات کو لائے ہیں ۔حالانکہ حقیقت میں "ابن ابی الحدید" کا شیعہ امامی سے دُور دُور تک کوئی تعلق نہیں ہے ۔اس پر ہم تفصیل سے کلام کرتے ہیں ۔قارئین کرام! شائد سب سے پہلے ابن ابی الحدید پر تشیع کے بہتان کا باب کھولنے والا شخص ابن کثیر ہے.اس نے اپنی تاریخی کتاب ﴿* البدایة والنهایة * جلد 13 صفحه 233﴾ میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بندہ شیعہ غالی تھا وغیرہ وغیرہ ۔

ابن أبی الحدید الشاعر العراقی عبد الحمید بن هبة الله بن محمد بن محمد بن الحسین أبو حامد بن أبی الحدید عز الدین المدائنی، الکاتب الشاعر المطبق الشیعی الغالی، له شرح نهج البلاغة فی عشرین مجلدا، ولد بالمدائن سنة ست وثمانین وخمسمائة. ثم صار إلی بغداد فکان أحد الکتاب والشعراء بالدیوان الخلیفتی، وکان حظیا عند الوزیر ابن العلقمی، لما بینهما من المناسبة والمقاربة والمشابهة فی التشیع والأدب والفضیلة، ۔

ابن کثیر کا یہ قول کچھ وجوہات کی بنیاد پر مردود ہے جس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے اس نے دعوے کی کوئی دلیل نہیں دی ہے ۔اس نے بنیادی وجہ ابن ابی الحدید کے شیعہ ہونے کی یہ بتائی ہے کہ اسکا تعلق ابن العلقمی شیعہ سے زیادہ تھا اور وہ اسکی صحبت میں زیادہ رہتا تھا ۔بھلا شیعہ سے کسی کا تعلق ہونا یا شیعہ کی صحبت میں ہونا کب سے اس انسان کے تشیع کی دلیل بننے لگا بات کچھ سمجھ نہیں آئی ............ اگر یہ دلیل ہے تو یہی دلیل ابن

العلقمی کے سنی ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اسکے تعلقات خلفاء بنی عباس سے بہت اچھے تھے اور ذہبی جو اس علم میں ابن کثیر سے زیادہ تھا اعتراف کرتا ہے کہ وہ معتزلی تھا

انسان اپنے بارے میں دوسرے سے بہتر جانتا ہے اس لئے کسی کی معرفت کا بہترین طریقہ اس کی بحث اور تحریر کو ملاحظہ کرنے سے ہوتا ہے اسی لیئے ہم یہاں ابن ابی الحدید کے تحریر سے ثابت کریں گے ابن ابی الحدید کا دور دور سے شیعہ ہونے پر کوئی اشارہ نہیں ہے۔ ابن ابی الحدید اپنی کتاب میں ایک مقام پر لکھتا ہے:

وتزعم الشيعة انه خوطب فی حياه رسول الله صلى الله عليه وآله بأمير المؤمنين، خاطبه بذلك جلة المهاجرين والأنصار، ولم يثبت ذلك فی اخبار المحدثين،

شیعہ یہ گمان کرتے ہیں کہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علی ابن ابیطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امیر المومنین کہہ کر خطاب کیا گیا ہے لیکن اخبار محدثین میں یہ ثابت نہیں ہے۔

شرح نهج البلاغة - ابن أبي الحديد - جلد 1 - الصفحة 12

ایک اور مقام ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

ودعی بعد وفاه رسول الله صلى الله عليه وآله بوصی رسول الله. لوصايته إليه بما أراده. وأصحابنا لا ينكرون ذلك، ولكن يقولون: انها لم تكن وصيه بالخلافة،

اور علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انکے وصی ہیں۔ ہمارے علماء اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں وصی سے مراد خلافت نہیں ہے۔

شرح نهج البلاغة - ابن أبي الحديد - جلد 1 - الصفحة 13

بھلا کون سا انوکھا شیعہ ایسا ہے جو اس بات کا انکار کرے کہ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام واقعہ غدیر کے بعد مومنین کے امیر قرار نہیں پائے یا حضرت امیر المومنینؑ کو اپنا وصی بنانے سے مراد خلافت نہیں تھی؟؟

ابن ابی الحدید ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

كان من وسم بالخلافة قبله عدلا تقيا، وكانت بيعته بيعة صحيحة..

ابو بکر کی بیعت شرعی اعتبار سے صحیح تھی۔

شرح نهج البلاغة - ابن أبي الحديد - جلد 1 - الصفحة 157

پھر ایک اور مقام پر ابن ابی الحدید عمر بن خطاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

وعمر كان أتقى لله من أن يخطر له هذا،

اور عمر اللہ کیلئے زیادہ متقی تھا۔

شرح نهج البلاغة - ابن أبي الحديد - جلد 3 - الصفحة 99

ابن ابی الحدید ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

لأنا نقول: الخبر يتضمن أن عثمان وأصحابه على الحق، وهذا مذهبنا، لأنا نذهب إلى أن عثمان قتل مظلوما، وأنه وناصرية يوم الدار على الحق، وأن القوم الذين قتلوه لم يكونوا على الحق،

ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ عثمان اور اسکے ساتھی حق پر تھے، اور عثمان مظلوم قتل ہوئے اور بے شک عثمان اور اسکے ساتھی (یوم الدار) حق پر تھے۔

شرح نهج البلاغة - ابن أبي الحديد - جلد 3 - الصفحة 100 کتاب * اعتقاد اهل السنة *

جوکہ ایک ناصبی حافظ ابو بکر اسماعیلی کی لکھی ہوئی ہے۔ عقیدہ نمبر ۱۴۱ اس طرح بیان کرتا ہے:
رسولؐ کے بعد خلافت ابو بکر ثابت ہے صحابہ کے اختیار سے، اس کے بعد خلافت عمر استخلاف ابو بکر کے ذریعہ سے، اس کے بعد خلافت عثمان اہل شوری اور تمام مسلمان کے اجماع پر حکم عمر پر۔ پھر مزید لکھتا ہے ھذا اصل الدین والمذھب یعنی یہ اہلسنت کا اصل دین اور مذہب ہے۔ گویا ثابت ہوا کہ جو ابو بکر کی بیعت کو صحیح کہے عمر کے تقوی کا قصیدہ پڑھے اور عثمان کو حق پر جانے جوکہ اقرار خلافت عثمان کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اہلسنت کے اصول کی طرف اشارہ ہے اور یہ اصول ابن ابی الحدید میں موجود ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنی معتزلی تھا نا کہ شیعہ امامیہ۔

پس ثابت ہوا کہ ابن ابی الحدید کہ جن کو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے خیانت کرتے ہوئے اسے شیعہ بنا کر پیش کیا یہ دعوی غلط ہے اور ابن ابی الحدید سنی معتزلی تھا۔ اب ہم ان روایات کی طرف چلتے ہیں جن کو طاہر القادری صاحب نے اس کتاب سے نقل کیا ہے

روایت نمبر 2: ابو بکر اس خلافت کی ذمہ داری کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔
شیخ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا:
ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اس خلافت کی ذمہ داری کے سب سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ صاحبِ غار ہیں، اور ہم ان کی بزرگی بھی پہچانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات

مبارکہ میں انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔

ذکرہ ابن ابی الحدید فی شرح نہج البلاغة حدیث الشقیفه، 50/2 و أیضاً فی ما روی من أمر فاطمة مع ابی بکر 48/6

**جواب:** شیخ ابن ابی الحدید نے یہ روایت ابی بکر الجوھری کی کتاب * السقیفه و فدك * سے نقل کیا عبارت ملاحظہ فرمائیں

قال أبو بکر أحمد بن عبد العزیز: وأخبرنا أبو زید عمر بن شبة، قال: حدثنا إبراهیم ابن المنذر عن ابن وهب عن ابن لهیعة عن أبي الأسود، قال: غضب رجال من المهاجرین في بیعة أبي بکر بغیر مشورة، وغضب علي والزبیر، فدخلا بیت فاطمة ع،،

شرح نهج البلاغة - ابن أبي الحدید - جلد 2 - الصفحة 50

اول تو ابن ابی الحدید جس کی کتاب سے روایت لے رہے ہیں یعنی ابو بکر الجوھری یہ شیعہ نہیں ہیں اور ہم نے آغاز میں بیان کیا تھا کہ اہل سنت اپنی کتابوں کی روایات سے ہمارے خلاف استدلال نہیں کر سکتے جس کو شیعہ اصلاً مانتے ہی نہیں ہیں۔ **بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ابو بکر جوھری شیعہ رافضی تھا حالانکہ اس پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے بالفرض اگر ابو بکر جوہری شیعہ مؤرخ بھی ہو تو بھی اس سے استدلال تب ہی کیا جا سکتا ہے جب یہ روایت مستند ہو پہلے تو مخالفین کو ابو بکر جوہری کی توثیق ہمارے علم الرجال سے پیش کرنی چاہیئے پھر اس کے بعد مخالفین پر لازم ہوگا کہ وہ مذکورہ روایت کی سند شیعی علم رجال سے صحیح ثابت کریں**

علامہ محمد جواہری نے اپنی کتاب * المفید من معجم رجال الحدیث * میں ابو بکر

جوھری کے متعلق لکھا ہے کہا:

أحمد بن عبد العزيز الجوهري: له كتاب السقيفة قاله الشيخ - مجهول - وثقه ابن أبي الحديد، وصريح كلامه ان المعنون من أهل السنة ۔

أحمد بن عبد العزيز الجوهري کی ایک کتاب السقیفہ تھی، شیخ طوسیؒ نے کہا: یہ مجھول ہے اور ابن ابی الحدید نے اسے ثقہ ٹھہرایا ہے اور کلام ان کا واضح ہے کہ اس نام سے منسوب شخص اہل سنت میں سے ہے۔

المفيد من معجم رجال الحديث - محمد الجواهري - الصفحة 30

پس اس روایت کو بھی خیانت سے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے شیعی روایت بنا کر پیش کر دیا حالانکہ اس روایت کو نقل کرنے والا ابو بکر جوہری شیعہ نہیں ہے اور جس سند سے ابو بکر جوہری نے روایت نقل کی ہے وہ بھی شیعی سند نہیں بلکہ تمام رواۃ عامہ (اہل سنت) ہیں۔

## روایت نمبر 3: امیر المومنینؑ نے معاویہ کو خط میں لکھا۔

شیخ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے: (حضرت ابوالحسن علی ابن ابی طالبؓ نے ایک خط میں معاویہ کی طرف لکھا، اس میں آپ فرماتے ہیں) آپ کو یاد ہے کہ اللہ تعالی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مسلمانوں میں سے مددگار منتخب کیئے اور اللہ نے ان کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمائی۔ وہ اسلام میں اپنے فضائل کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مقام ومنزلت رکھتے تھے۔ میرے خیال میں اسلام میں ان سب سے افضل اور ان سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیر خواہ خلیفہ (اول) ابو بکر اور اس کے بعد خلیفہ عمر تھے۔ میری عمر کی قسم! ان دونوں کا اسلام میں عظیم مرتبہ ہے اور ان دونوں کا رحلت کر

جانا (عالم) اسلام کیلئے شدید دکھ کا باعث ہے۔

أخرجه ابن ابی الحدید فی شرح نهج البلاغة، فصل فی ذکر بعض مناقب جعفر ابن ابی طالب علیہ السلام 74/15، والمجلسی فی بحار الانوار الباب السادس عشر: باب کتبه علیه السلام إلی معاویة واحتجاجاته علیه ومراسلاته إلیه وإلی أصحابه، 111/33، والبلاذری فی أنساب الأشرف، 278/2

**جواب:** شیخ ابن ابی الحدید نے اپنی کتاب میں مذکورہ روایت صفحہ 73 سے نصر بن مزاحم کی کتاب" واقعہ صفین" سے نقل کی ہے عبارت ملاحظہ فرمائیں:

روی نصر بن مزاحم فی کتاب "صفین" عنعمر بن سعد عن أبی ورقاء، قال:،،

شرح نهج البلاغة - ابن أبی الحدید - جلد 15 - الصفحة 73

ہمارے پاس جونسخہ ہے اس میں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے جو متن نقل کیا ہے وہ متن شیخ ابن ابی الحدید نے جلد 15 صفحہ 76 پر نقل کیا ہے اور صفحہ 74 پر روایت شروع کرتے ہوئے ابن ابی الحدید نے لکھا:

قال نصر، فلما قدم أبو مسلم علی علی علیه السلام بهذا الکتاب، قام فحمد الله وأثنی علیه،

یعنی نصر بن مزاحم نے کہا،، تو اب دیکھتے ہیں کہ نصر بن مزاحم کون ہے؟ اس کے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ یہ کیسا راوی تھا ابن حبان نے اس کو اپنی کتاب الثقات میں جگہ دی ہے یعنی ابن حبان کے نزدیک نصر بن مزاحم ثقہ ہے.

الثقات لابن حبان (215/9)

لیکن وہیں اس کے برعکس علماء اہل سنت نے اس پر جرح بھی کی ہے۔ابو حاتم الرازی کہتے ہیں" یہ متروک الحدیث ہے"۔امام دار قطنی نے کہتے ہیں" یہ ضعیف ہے"۔ذہبی کہتا ہے" یہ رافضی ہے"۔المختصر یہی کہ علماء اہل سنت نے اس پر جرح مفسر بھی کی ہے اور اسے شیعہ رافضی جانا ہے۔اب ذرا شیعي کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ علماء امامیہ کیا کہتے ہیں نصر بن مزاحم کے متعلق تو سب سے پہلے علامہ شیخ نجاشیؒ اپنی کتاب رجال میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

[1148] نصر بن مزاحم المنقري العطار أبو المفضل، كوفي، مستقيم الطريقة، صالح الامر، غير أنه يروي عن الضعفاء. نصر بن مزاحم منقري العطار، ابو المفضل كوفي

سیدھے راہ پر تھے اور اس کا کام نیک تھا سوائے اس کے کہ اس نے ضعیف لوگوں سے روایات نقل کی ہے۔

رجال النجاشي - النجاشي - الصفحة 428,427

شیخ نجاشیؒ کے قول سے اس کا حُسن الحال ہونا واضح ہے اور *مستقيم الطريقة* سے اس کا شیعہ ہونا بھی ظاہر ہے۔تو اب چلتے ہیں روایت کی سند کی طرف تو نصر بن مزاحم کی کتاب کے حوالے سے جو سند شرح نھج البلاغہ جلد 15 صفحہ 73 پر ذکر ہے وہ کچھ یوں ہے ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں:

روى نصر بن مزاحم في كتاب " صفين "عن عمر بن سعد عن أبي ورقاء، قال،،۔

اور جلد 15 صفحہ 75 پر یہ کہہ کر ابن ابی الحدید نے روایت نقل کی کہ نصر نے کہا ہے۔جب ہم

نے نصر بن مزاحم کی اصل کتاب کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے اس واقعہ کو صفحہ 85 پر اپنی سند سے یوں نقل کیا ملاحظہ فرمائیں:

عن عمر بن سعد عن أبي ورق، أن ابن عمر بن مسلمة الأرحبي أعطاه كتابا في إمارة الحجاج بكتاب من معاوية إلى علي. ،،

واقعة صفين - ابن مزاحم المنقري - الصفحة 85

اور ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے جو متن نقل کیا وہ کلام صفحہ 89,88 پر نقل کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

وذكرت أن الله اجتبى له من المسلمين أعوانا أيده الله بهم، فكانوا في منازلهم عنده على قدر فضائلهم في الإسلام، فكان أفضلهم - زعمت - في الإسلام، وأنصحهم لله ورسوله الخليفة، وخليفة الخليفة. ولعمري إن مكانهما من الإسلام لعظيم، وإن المصاب بهما لجرح في الإسلام شديد. رحمهما الله وجزاهما بأحسن الجزاء. ،،

واقعة صفين - ابن مزاحم المنقري - الصفحة 89,88

قارئین! نصر بن مزاحم لکھتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن سعد (قاتل امام حسینؑ) سے روایت نقل کی اور انہوں نے ابی ورق سے روایت نقل کی ہے۔ نصر بن مزاحم جس سے روایت کو نقل کر رہا ہے یعنی عمر بن سعد تو یہ مجہول ہے شیعي علم الرجال میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوا ہے جیسا کہ شیخ علي نمازی نے لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:

11017 - عمر بن سعد بن أبي الصيد الأسدي: لم يذكروه. وله كتاب جمع فيه

جملة من كتب أمير المؤمنين عليه السلام و غيرها.

مستدركات علم رجال الحديث-

الشيخ علي النمازي الشاهرودي-جلد6-الصفحة 90

اور عمر بن سعد جس سے روایت لے رہا ہے اپی ورق تو اس کا بھی حال ہمیں کتب رجال سے نہیں مل سکا پس اس روایت کی سند مجہول اور نا قابل اعتبار ہے۔۔

## روایت نمبر 4: امامؑ نے فرمایا کہ میں نے ابو بکر کی بیعت کی جیسے کہ تم نے ان کی بیعت کی۔

شیخ الطوسیؒ نے اپنی امالی میں کہا ہے: حضرت امام علیؑ نے فرمایا: میں نے ابو بکر کی بیعت کی جیسے کہ تم نے ان کی بیعت کی ہے۔میں نے مسلمانوں کی جمعیت کو توڑنے اور ان کی اجتماعیت میں تفرقہ ڈالنے کو ناپسند کیا۔پھر ابو بکر نے اپنے بعد اس امر (خلافت) کیلئے عمر کو مقرر کیا،سو میں نے اس کی بیعت کی جیسے تم نے ان کی بیعت کی۔پھر میں نے ان کی بیعت کے ذریعے اُن کے حق کو پورا کیا حتی کہ انہوں نے اپنی شہادت سے پہلے مجھے خلافت کے انتخاب کیلئے چھ ممبران میں سے چھٹا بنایا سو جیسے انہوں نے مجھے شامل کیا میں ویسے ہی شامل رہا۔میں نے مسلمانوں کے اجتماعیت میں تفرقہ ڈالنے اور ان کی جمعیت کو توڑنے کو ناپسند کیا۔پس تم نے عثمان کی بیعت کی تو میں نے بھی کر لی۔پھر تم نے عثمان پر طعن کیا اور تم نے انہیں قتل کر دیا جبکہ میں اپنے گھر میں تھا

،، ۔أخرجه الطوسي في الأمالي، ندامة بعض أصحاب الجمل بعد الهزيمة ورجوعهم إلى علي عليه السلام، صفحه ۵۰۷

**جواب:** ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے جو روایت الآمالی الطوسيؒ سے نقل کی ہے اس روایت کی سند شیخ طوسيؒ نے اپنی کتاب میں یوں نقل کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

16/1109 - أخبرنا جماعة، عن أبي المفضل، قال: حدثنا أبو جعفر محمد بن الحسين بن حفص الخثعمی الأشنانی، قال: حدثنا عباد بن یعقوب الأسدی، قال: أخبرنا علی بن هاشم بن البرید، عن أبیه، عن عبد الله بن مخارق، عن هاشم بن مساحق، عن أبیه: أنه شهد یوم الجمل،، ۔

الأمالی - الشیخ الطوسی - الصفحة 507

اس روایت کی سند ہی مجہول ہے اس کی سند میں راوی " أبو جعفر محمد بن الحسین بن حفص الخثعمی الأشنانی " کو علامہ الجواهری نے مجہول لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:

محمد بن الحسین بن حفص: الخثعمی الأشنانی الکوفی، یکنی أبا جعفر، روی عنه التلعکبری وسمع منه...

رجال الشیخ - مجهول -.

المفید من معجم رجال الحدیث - محمد الجواهری - الصفحة 518

اس کے بعد سند میں موجود دو راوی اور بھی ہیں جو کہ مجہول ہیں ایک علی بن ھاشم بن البرید ہیں جن کے متعلق علم الرجال میں کچھ ذکر ہی نہیں ہوا کہ یہ کون تھا اور دوسرا راوی ہاشم بن مساحق ہے کہ جس کے متعلق الشیخ علی نمازي فرماتے اس کا علم الرجال میں ذکر نہیں ہوا یعنی یہ راوی مہمل ہے۔

15843 - هاشم بن مساحق: لم یذکروه

مستدرکات علم رجال الحدیث-

الشیخ علی النمازی الشاھرودی-جلد8-الصفحة 135

پس یہ روایت سند کے اعتبار سے مجہول و نا قابل اعتبار ہے۔

**روایت نمبر 5: امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ میرے دو (ابو بکر و عمر) محبوب دوست تھے۔**

شیخ الطوسیؒ نے* تلخیص الشافی* میں کہا ہے: امام جعفر صادقؑ نے اپنی والد امام محمد الباقرؑ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ایک قریشی شخص نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے عرض کیا: امیر المومنین! ہم آپ کو خطبہ میں کبھی کبھار یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں: "اے اللہ! تُو ہمارے معاملات اس طرح درست فرمادے جیسے تُو نے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے معاملات درست فرمائے تھے"۔ وہ (خلفائے راشدین) کون ہیں؟ حضرت علیؓ کی دونوں آنکھیں بھر آئیں، پھر انہوں نے آنسو کو ضبط کرتے ہوئے فرمایا: وہ میرے دو محبوب دوست تھے اور تمھارے چچا ابو بکر اور عمر ہیں، وہ دونوں ہدایت کے امام تھے اور خانوادہ قریش کے عظیم فرد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ دونوں مقتدی تھے (جن کی پیروی کی جاتی تھی)۔ جس نے ان دونوں کی پیروی کی وہ محفوظ ہوگیا،،۔

ذکرہ الطوسی رحمۃ اللہ علیہ فی تلخیص الشافی، 318/3

**جواب:** قارئین محترم! شیخ طوسیؒ کی یہ کتاب* تلخیص الشافی* علامہ سید مرتضی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب* الشافی فی الامامة* کی تلخیص یعنی خلاصہ ہے اور یہ کتاب* الشافی فی الامامة* علامہ سید مرتضیؒ نے مکتب تشیع کے مخالفین کے رد میں لکھی ہے اور اس

کتاب میں مخالفین (اہل سنت) کی روایات کا رد لکھا گیا ہے اور انہیں میں سے ایک روایت ڈاکٹر طاہر القادری نے بطور شان شیخین پر پیش کی ہے۔ اس روایت کے متعلق شیخ طوسیؒ نے لکھا ہے: انہا اخبار احادیہ اخبار احاد میں سے ہے۔ پھر اسکے بعد طویل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے یہ روایات دیگر روایات کے متعارض ہیں اور روایت نا قابل اعتبار ہے

تلخیص الشافی جلد 3 صفحہ 218

دوسری بات شیخ طوسیؒ نے روایت کو وروی کی تمریض سے نقل کیا ہے اور وروی کی تمریض قائلیت کے لئے نہیں روایت کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ روی یعنی روایت کی گئی ہے اب یہ روایت کیسے کی گئی؟ کس نے نقل کی کوئی پتہ نہیں ہے۔ اور ضعیف روایت کسی کی قائلیت کبھی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک عام بات ہے اس پر دلیل کی ضرورت نہیں اہل سنت کے علماء متقدمین نے اس کو ضعیف صیغہ قرار دیا ہے وروی، یروی وغیرہ وغیرہ کیونکہ وروی یروی کوئی سند نہیں ہوتی۔۔۔۔ جیسا کہ اہل سنت کے چوتھی صدی کے أبو بکر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسابوری (المتوفى: 319ھ) نے اس کا ذکر بھی کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

وله عادات جميلة في كتابه الإشراف، أنه إن كان في المسألة حديث صحيح، قال: ثبت عن النبي - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - كذا، أو صح عنه كذا، وإن كان فيها حديث ضعيف قال: روينا، أو يروى عن النبي - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

ترجمہ: اچھی عادتوں میں سے ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح ہو تو کہتے ہیں یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہے اس طرح یا صحیح ہے ان سے اس طرح اور اگر حدیث ضعیف ہو

تو کہتے ہیں ہم سے روایت کیا گیا ہے یا نبی ﷺ سے روایت کیا گیا ہے۔

تہذیب الاسماء واللغات صفحہ 197

المختصر یہی کہ تلخیص الشافی کی روایت کسی صورت قابل استدلال نہیں ہے۔

**روایت نمبر 6: امام حسنؑ نے صلح میں ایک شرط سیرت خلفاء راشدین پر عمل کرنے کی رکھی۔**

شیخ عباس القمی نے* منتھی الآمال* میں کہا ہے: حضرت امام حسن ؓ ابوبکر و عمر کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے، حتی کہ انہوں نے معاویہ کے ساتھ اپنی صلح میں ان پر یہ شرط عائد کی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل کریں گے لوگوں میں ان ہی کے اسوہ کے مطابق فیصلے کریں گے۔

ذکرہ عباس القمی فی منتھی الآمال، 230/1

**جواب:** قارئین محترم! شیخ عباس قمیؒ نے اس روایت کو اپنی کتاب منتھی الآمال میں بغیر کسی سند اور بناء کسی حوالے کے نقل کیا ہے تو اس روایت کا مصدر/ ماخذ کیا ہے کچھ نہیں لکھا کیوں کہ شیخ عباس قمیؒ ناقل ہیں لہذا انہوں نے سیرت و سوانح حیات معصومینؑ کو شیعہ و سنی دونوں کتابوں سے نقل کی ہے۔ اب جو روایت ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے اس کتاب کے حوالے نقل کی ہے جہاں تک مجھے اس روایت کے مصدر کا علم ہوا ہے تو یہ روایت اہل سنت کتب میں نقل ہوئی ہے۔ سب سے پہلے اھل سنت کے قدیم مورخ الامام احمد بن یحیی بن جابر البلاذری (المتوفی سنۃ 279ھ) نے اپنی کتاب* انساب الاشراف* کی جلد 4

صفحہ 287،286 پر تھوڑی کمی بیشی کے ساتھ روایت کو نقل کیا ہے،اس کے علاوہ اس روایت کو اہل سنت والجماعت کے دوسرے قدیم مؤرخ ابی محمد احمد بن اعثم الکوفي (المتوفي سنہ 320ھ) نے اس روایت کو اپنی کتاب * قطعة من كتاب الفتوح * میں صفحہ 596,595 پر نقل کیا ہے،اس کے بعد شیخ کمال الدین محمد بن طلحة الشافعي (جوکہ 582ھ میں پیدا ہوئے اور 652ھ میں انتقال فرمایا) نے اپنی کتاب * مطالب السؤول مناقب آل الرسول * میں صفحہ 240 پر نقل کیا ہے اور اسی روایت کو اہل سنت والجماعت کے علامہ ابن حجر مکی (متوفی 974ھ) نے بھی اپنی مشہور زمانہ کتاب * الصواعق المحرقہ * میں باب العاشر صفحہ 399،398 میں اس روایت کو نقل کیا۔اس کے علاوہ بھی دیگر اہل سنت علماء نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔جس روایت کو شیخ عباس قمیؒ کی کتاب منتھی الآمال سے شیعی روایت سمجھ کر بطور استدلال پیش کیا گیا ہے تو اس روایت کا اصل ماخذ ہی اہل سنت کی کتاب ہے تو جن کتابوں کو ہم اصلاً مانتے ہی نہیں ہیں تو ان کتب سے مروی روایات کیوں دیکھائی جارہی ہیں؟؟

روایت نمبر 7: امام باقرؑ نے ابو بکر کو صدیق کہا۔

شیخ ابوالحسن الاربلی نے کشف الغمة فی معرفة الآئمة میں امام محمد بن علی بن الحسین الباقرؑ سے روایت کیا ہے۔وہ عروہ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے امام ابوجعفر محمد بن علیؑ سے تلوار کی تزئین و آرائش کے متعلق پوچھا ،تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ابو بکر صدیق نے بھی اپنی تلوار مزین کر رکھا تھا۔میں نے کہا:

آپ انہیں صدیق کہہ رہے ہیں؟ وہ تیزی سے مڑے اور اپنا رُخ قبلہ کی طرف کر کے فرمانے لگے: ہاں، میں انہیں صدیق کہتا ہوں اور جو انہیں صدیق نہیں کہتا اللہ تعالی اس کی کسی بات کو دنیا اور آخرت میں سچا کرے۔

أخرجه الإربلی فی کشف الغمة فی معرفة الأئمة فی معاجز الإمام أبی جعفر الباقر علیہ السلام 359/2

**جواب:** قارئین محترم! جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ شیخ ابوالحسن ال اربلي ؒ نے عموماً اس کتاب میں شیعہ وسنی دونوں کتابوں سے روایات کو نقل کیا ہے۔ اب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے جس روایت کو بطور شیعی روایت بنا کر پیش کیا ہے اصلاً وہ روایت علامہؒ نے اہل سنت کی کتاب سے نقل کی ہے۔ ہمارے پاس جو نسخہ ہے اس کے صفحہ 360 پر مذکورہ روایت نقل ہوئی ہے اور صفحہ 359 پر لکھتے ہیں :

وقال الشیخ أبو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد بن الجوزی رحمه الله فی کتاب صفوة الصفوة،، ۔اور شیخ ابن الجوزی کتاب صفوۃ الصفوۃ میں کہتے ہیں،، ۔تو قارئین یہ روایت قابل استدلال ہی نہیں ہے کیونکہ شیخ ابوالحسن ال اِربلیؒ نے یہ روایت اہل سنت کتاب سے نقل کی ہے اور مخالفین کا اپنی کتابوں کی روایات سے استدلال کرنا علمی روش نہیں ہے۔ اچھا قارئین محترم! مذکورہ روایت کو شیخ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "صفة الصفوة" میں صفحہ 332 ترجمہ امام ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؑ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے اور اس کی سند بھی انہوں نے نقل نہ کی کہ ان تک یہ روایت کیسے پہنچی؟ البتہ یہی روایت حافظ ابن عسا کر نے اپنی کتاب تاریخ مدینہ دمشق کی

جلد 54 صفحہ 283 میں نقل کی ہے اور اس میں انہوں نے اس روایت کی سند بھی نقل کی ہے جو کچھ یوں ہے ملاحظہ فرمائیں:

أخبرنا أبو عبد الله محمد بن إبراهيم بن جعفر أنبأنا أبو الفضل الكريدي أنبأنا أبو الحسن العتيقي قالا أنبأنا أبو الحسن الدارقطني حدثني إبراهيم بن شريك حدثنا عقبة ابن مكرم ثنا يونس بن بكير عن أبي عبد الله الجعفي عن عروة بن عبد الله قال سألت أبا جعفر محمد بن علي ما قولك في حلية السيف ،،، الخ

اس سند میں عروہ بن عبد اللہ (اس کی توثیق شیعہ کتب رجال میں موجود نہیں ہے مجہول راوی ہے ) سے ابی عبد اللہ الجعفی روایت نقل کر رہا ہے سنی علم الرجال کے مطابق یہ راوی آبو عبد اللہ عمرو بن شمر الجعفی ہے اور یہ علماء اھل سنت کے ہاں مجروح ہے۔ روى عباس عن يحيى: ليس بشئ عباس نے یحیی کا قول نقل کیا ہے: یہ کوئی شئے نہیں ہے۔

وقال الجوزجاني: زائغ كذاب اور جوزجانی نے کہا: یہ بھٹکا ہوا کذاب ہے۔ وقال النسائی عمرو بن شمر كوفي متروك الحديث. نسائی نے کہا: یہ عمرو بن شمر کوفی متروک الحدیث ہے۔ وقال البخاري: منكر الحديث. قال يحيى: لا يكتب حديثه اور بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے۔ یحیی نے کہا: اس کی حدیث کو نہ لکھا جائے۔

میزان الاعتدال (اردو)، جلد 5، صفحہ 322، رقم 6390

قارئین محترم! یہ روایت خود اہل سنت کے ہاں ثابت نہیں ہے اور ضعیف وغیر معتبر ہے۔

**روایت نمبر 8: امام باقرؑ نے فرمایا کہ میں عمر کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں۔**

طبرسی نے امام الباقر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں ابو بکر کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں اور نہ ہی عمر کی فضیلت کا انکاری ہوں لیکن ابو بکر عمر سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔

أخرجه الطبرسی فی الاحتجاج، احتجاج ابی جعفر بن علی الثانی فی الأنواع الشتی من العلوم الدینیة 248/2

**جواب:** قارئین محترم! یہ روایت کتاب الاحتجاج میں امام جواد (علیہ السلام) کے حوالے سے ہے۔ اللہ جانے شیخ الاسلام صاحب نے مذکورہ روایت کس کتاب سے دیکھ کر نقل کر دی؟ اس روایت میں امام محمد بن علی التقی الجواد (علیہ السلام) کا مناظرہ یحیی بن اکثم سے ہوتا ہے اور اس میں یحیی بن اکثم ابو بکر اور عمر کے منگھڑت فضائل کا ذکر کرتا ہے جس کا مسکت جواب امام جواد (علیہ السلام) عطا کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے یحیی کہتا ہے:

فقال یحیی: وقد روی: (أن السکینة تنطق علی لسان عمر)۔ یحیی کہتا ہے کہ منقول ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سکینہ (اطمینان) عمر کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں امام جواد (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

لست بمنکر فضل عمر، ولکن أبابکر أفضل من عمر: فقال - علی رأس المنبر -:

(أن لی شیطانا یعترینی، فإذا ملت فسددونی).

میں عمر کے فضل کا انکار نہیں کرتا البتہ ابو بکر عمر سے افضل تھے (جو کہ یحیی کا عقیدہ تھا) اور ابو بکر نے برسر منبر کہا کہ میرے لئے ایک شیطان ہے جو مجھے بہکاتا چنانچہ جب میں غلطی کروں تو مجھے سدھار دینا۔

الاحتجاج جلد 2 صفحہ 212 تبصرہ:

ادھر امام جواد علیہ الصلوٰۃ والسلام سامنے والے کی دلیل کے نقض میں استدلال پیش کر رہے ہیں کہ عمر کے لئے اگر اس قول کو مانا جائے تو عمر افضل الناس قرار پائے گا کیونکہ عمر کی زبان بے خطا نہ قرار پائے گی جب کہ اہلسنت کا ماننا یہ ہے کہ ابو بکر عمر سے افضل ہے اور ابو بکر خود کہتا ہے کہ وہ شیطانی حملات سے مبرا نہیں اور جب بالفعل ایسا ہو تو لوگ اس کو سدھاریں تو اس منطق سے عمر پر شیطانی حملہ بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس نقضی دلیل کو سیاق سے بٹا کر صرف ایک عبارت سے استدلال کیا اور وہ عبارت دراصل عمر کے فضیلت کے ابطال میں ہی تھی۔ باقی فضل عمر سے مراد ضروری نہیں کہ فضیلت ہی مراد لی جائے کیونکہ ادھر سیاق وسباق اس کے خلاف ہے تو فضل سے ادھر مراد لغوی اعتبار سے کسی چیز کی زیادتی کو بھی لیا جاسکتا ہے، تو تقدیرا مطلب یہ بنے گا میں عمر کی زیادتیوں کا منکر نہیں۔اس (روایت نمبر 8 کے) جواب کیلئے ہم نے آغا خیر طلب زیدی حفظہ اللہ کی تحریر سے استفادہ کیا ہے۔(یہ مکمل مناظرہ کتاب کے آخر میں درج کر دیا ہے وہاں سے مکمل پڑھ سکتے ہیں)

## روایت نمبر 9: امیر المومنینؑ کے سامنے جب اہل عراق کی ایک جماعت نے ابو بکر و عمر کے متعلق نازیبا کلمات کہے۔

شیخ ابو الحسن الإربلی نے * کشف الغمۃ فی معرفۃ الأئمۃ * میں بیان کیا ہے: اہل عراق میں سے کچھ لوگ حضرت علیؓ کے پاس آئے۔انہوں نے ابو بکر، عمر و عثمان کے متعلق کچھ ناپسندیدہ بات کی۔جب وہ اپنی بات سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا: کیا تم مجھے اس بات کی خبر تو نہیں دے رہے کہ تم اولین ہو؟ (جن کے متعلق اللہ نے فرمایا

ہے ) جو اپنے گھروں اور اپنے اموال ( اور جائیدادوں ) سے باہر نکالے دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کے رضا و خوشنودی چاہتے ہیں اور ( اپنے مال و وطن کی قربانی سے ) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ ہی سچے مومن ہیں۔ انہوں نے کہا: ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: اچھا تم یہ لوگ ہو" جنہوں نے ان ( مہاجرین ) سے پہلے ہی شہر ( مدینہ ) اور ایمان کو گھر بنالیا تھا۔ یہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں۔ اور یہ اپنے سینوں میں اس ( مال ) کی نسبت کوئی طلب ( یا تنگی ) نہیں پاتے جو ان ( مہاجرین ) کو دیا جاتا ہے اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو"۔ وہ کہنے لگے: نہیں ہم ان میں سے بھی نہیں ہیں،،،۔

**جواب:** شیخ ابوالحسن الاربلی ؒ نے اس روایت کو بغیر کسی سند کے ذکر کیا ہے اور ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت کا مصدر اہل سنت کتاب * حلیۃ الأولیاء و طبقات الاصفیاء * ھے جو کہ حافظ ابو نعیم الاصفھانی (متوفی سنة 430ھ) کی تالیف ہے۔ حافظ ابو نعیم نے اس روایت کو اپنی کتاب * حلیۃ الأولیاء و طبقات الاصفیاء * کی جلد 3 صفحہ 137 پر نقل کیا ہے لہذا یہ روایت اہل سنت کتاب سے نقل کی گئی ہے اور شیعی مصدر میں اس روایت کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے اور سنی کتب کی روایات ہمارے لیئے قابل حجت نہیں ہیں۔

## روایت نمبر 10: امیر المومنین ؑ کا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ؓ کے متعلق وصیت کرنا۔

شیخ ابوالحسن الاربلی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا: اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرو اور اپنے درمیان ان پر (بے ادبی کی صورت میں) ظلم نہ کرو اور اپنے نبی مکرم ﷺ کے صحابہ کے بارے میں بھی اللہ تعالی سے ڈرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے۔

أخرجه الإربلي في كشف الغمة في معرفة الأئمة في وصايا أمير المؤمنين 58/2

**جواب:** قارئین محترم! نہیں معلوم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اس سے کیا استدلال کر رہے ہیں شاید یہ سمجھتے ہیں کہ مکتب اہل بیت علیہ السلام یعنی اثنا عشریہ امامیہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ؓ کی شان وشوکت کے قائل نہیں ہیں اگر ایسا ہی ہے تو یہ ان کی سوچ ہے اثنا عشریہ امامیہ صحابہ کرام کی عزت وعظمت کا قائل ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اہل سنت کی طرح صحابہ کو نہیں مانتے۔ جو ظالم تھے انہیں ظالم ہی تصور کرتے ہیں اور نیک وایماندار تھے ان کی عظمت کے قائل ہیں اور ان کے ذکر سے اپنی مجلسوں کو زینت بخشتے ہیں۔ المختصر یہی کہ آپ امیر المومنین ؑ کی وصیت میں لفظ" اصحاب" میں جن کو شامل کر رہے ہیں وہ اس میں شامل نہیں ہیں، انہوں نے تو ہمیشہ محمد وآل محمد ؐ پر ظلم کیا کبھی محمد مصطفی ﷺ کی نبوت پر شک کر کے اور کبھی رسول اللہ ﷺ کے دماغ پر حملہ کر کے اور کبھی امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام کے حق پر قبضہ کر کے اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی اکلوتی بیٹی سیدہ کائنات (سلام اللہ علیہا) کا حق غصب

کر کے اور کبھی ان کو دھمکی دے کر اذیت دی المختصر یہی کہ صحابہ میں اچھے بُرے دونوں قسم کے لوگ موجود تھے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق فقط انہیں ہی لائق تعظیم سمجھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخلص تھے اور جنہوں نے اہل بیتؑ پر ظلم وستم کیا انہیں ہم نے وہی سمجھا جو اللہ نے قرآن میں سمجھا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورہ احزاب آیت 57

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے صحابہ کے متعلق دو روایت ملاحظہ فرمائیں:

حذيفة أخبرنی عن رسول الله صلی الله عليه وسلم أنه قال: "فی أصحابی أثنا عشر منافقا منهم ثمانية لا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل فی سم الخياط".

حذیفہ نے حدیث بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب میں بارہ افراد منافق ایسے ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ ہی اس کی خوشبو سونگھ پائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔

کتاب: صحیح مسلم: باب صِفَاتِ الْمُنَافِقِينَ وَأَحْكَامِهِمْ:

حدیث نمبر: 7035

عن ابن المسيب، انه كان يحدث، عن اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم، ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال:" یرد علی الحوض رجال من اصحابی فیحلئون عنه، فاقول: یارب، اصحابی، فیقول: إنك لا علم لك بما احدثوا بعدك، إنهم ارتدوا علی ادبارهم القهقری".

ابن مسیب نے بعض اصحاب النبیؐ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حوض پر میرے صحابہ کی ایک جماعت آئے گی پھر انہیں اس سے دور کر دیا جائے گا اور میں عرض کروں گا میرے رب! یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں، یہ الٹے پاؤں (اسلام سے) واپس لوٹ گئے تھے۔ (یعنی مرتد ہو گئے تھے)

کتاب: صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب فی الحوض: حدیث نمبر: 6586

اب اس کے بعد مزید کیا لکھوں جب کہ یہ ثابت ہو چکا کہ تمام صحابی ہی مومن نہیں تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ میرے اصحاب میں سے بارہ منافقین ہیں اور دوسری روایت میں فرمایا کہ بروز قیامت میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے لیکن انہیں مجھ سے دور کیا جائے گا تو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت میں لفظ اصحاب میں ہر ایرا غیرا شامل نہیں ہے

بلکہ اس میں حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عمار یاسرؓ، حضرت ہجر بن عديؓ، حضرت مقداد وغیرہ جیسی شخصیات شامل ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کی اور حالت ایمان میں اس فانی دنیا سے بقاء کی طرف منتقل

ہو گئے اب اس جواب کو یہیں تک روکتے ہیں تحریر طوالت کا شکار ہو رہی ہے لکھنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

## روایت نمبر 11: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ میں دو جہتوں سے ابو بکر کی اولاد ہوں۔

شیخ ابو الحسن الاربلی نے کشف الغمۃ فی معرفۃ الأئمۃ میں بیان کیا ہے کہ حافظ عبد العزیز بن الاحضر الجنابزی کہتے ہیں: امام ابو عبد اللہ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام صادق ہیں اور ان کی والدہ ام فروہ ہیں۔ ان کا نام قریبہ بنت قاسم بن محمد بن ابو بکر ہے۔ اور حضرت قریبہ کی والدہ اسماء بنت عبد الرحمن بن ابو بکر ہیں۔ اسی لیئے امام جعفرؓ نے فرمایا: دو جہتوں سے میں ابو بکر کی اولاد ہوں۔

أخرجه الإربلی فی کشف الغمة فی معرفة الأئمة، فی معاجز الإمام أبی جعفر رضی اللہ عنہ

359/2

**جواب:** قارئین محترم! سمجھ میں نہیں آتا طاہر القادری صاحب خود کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں یا اپنی سادی عوام کو؟ یہ روایت کہاں سے نقل ہو رہی ہے ڈاکٹر صاحب یہ تو بتا رہے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ عبارت جہاں سے یا جس سے لی جا رہی ہے وہ کون ہے؟؟ میرے خیال سے جو شخص شیخ الاسلام کے لقب سے جانا جائے اسے یہ ضرور پتہ ہوگا کہ یہ بندہ کون ہے ڈاکٹر صاحب نے جان بوجھ کر خیانت و دھوکہ کیا اپنی قوم سے خیر اللہ اس کو ہدایت دے۔ قارئین محترم! ہم پہلے بھی کشف الغمہ کی ایک روایت یہ بات کر چکے ہیں کہ شیخ ابو الحسن ال اربلیؒ نے اس کتاب میں شیعہ و سنی دونوں کتابوں سے روایات لائے ہیں۔ لہذا

جس روایت کو ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے اس کو نقل کرنے سے پہلے علامہ ابن أبی الفتح الإربلی لکھتے ہیں:

وقال الحافظ عبد العزيز بن الأخضر الجنابذی رحمه الله أبو عبد الله جعفر بن محمد بن علی بن الحسين بن علی بن أبی طالب عليهم السلام الصادق،،

حافظ عبد العزیز بن الاحضر نے کہا ہے،،

کشف الغمة - ابن أبی الفتح الإربلی - جلد 2 - الصفحة 374

اب ذرا دیکھتے ہیں کہ یہ حافظ عبد العزیز بن الاحضر کون تھے تو کتاب "ھدیۃ العارفین جلد 1 صفحہ 579" میں لکھا ہے کہ الحافظ عبد العزیز بن الاخضر الجنابذی اہل سنت حنبلي تھے۔ امام ذھبی نے سیر علام النبلاء جلد 22 صفحہ 32,31 میں ان کی مدح وتوثیق میں مختلف علمائے اہل سنت کے اقوال نقل کیئے ہیں۔ لہذا حافظ عبد العزیز بن الاحضر ایک اہل سنت حنبلي ہے اور ڈاکٹر صاحب نے اس کے قول کو زبردستی شیعہ روایت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسرا ڈاکٹر صاحب آپ نے جس روایت کو کشف الغمہ سے نقل کیا ہے تو عرض ہے کہ اس کی کوئی سند بھی نہیں لکھی ہے بلکہ صرف اہل سنت عالم کا حوالہ دیا ہے۔ حافظ عبد العزیز بن الاحضر کی 524 ھجری کی پیدائش ہے اور امام جعفر الصادق علیہ الصلوۃ والسلام کی شہادت 148 ھجری میں ہے تو اہل سنت عالم اور امام صادقؑ کے درمیان تقریباً 350 سے زائد سال کا عرصہ ہے تو اس نے یہ روایت امام صادقؑ سے کیسے بیان کی ہے؟؟

پس یہ روایت منقطع و مرسل ہے اور ایسی روایت سے استدلال کرنا کہاں کا انصاف

ہے؟؟ تو اب دیکھتے ہیں کہ یہ روایت اہل سنت کتب میں کس سند کے ساتھ آئی ہے اور سند کیسی ہے تو یہ روایت اہل سنت کی "کتاب تهذيب الكمال في اسماء الرجال جلد 5 صفحہ 82,81" میں حافظ مزي نے درج ذیل سند سے نقل کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

قال: اخبرنا الدارقطني، قال: حدثنا ابو بكر احمد بن محمد بن اسماعيل الادمي،

قال: حدثنا محمد بن الحسين الحنيني، قال: حدثنا عبد العزيز بن محمد الازدي، قال: حدثنا حفص بن غياث، قال: سمعت جعفر بن محمد يقول: ما ارجو من شفاعة علي شيئا الا وانا ارجو من شفاعة ابي بكر مثله، ولقد ولدني مرتين.

اس کی سند میں ایک راوی حفص بن غیاث امام الصادقؑ سے روایت بیان کر رہا ہے اس کے بارے میں کتاب "التعديل والتجريح لمن خرج عنهٔ البخاری فی الجامع الصحيح میں الحافظ ابی الولید المالکی صفحہ 513" میں علي بن المديني (جو امام بخاری کا استاد ہے) کا قول لکھتے ہیں:

قال علی ابن المدینی: احادیث حفص وحاتم بن وردان عن جعفر بن محمد منکرة۔

علی ابن المدینی نے کہا: حفص بن غیاث کا امام الصادقؑ سے روایت کرنا منکر روایت کے ضمرے میں آتا ہے۔ اسی صفحہ میں ایک قول یہ بھی نقل ہے کہ

قال ابو زرعة الرازی: حفص بن غیاث ساء حفظه بعد ما استقضی.

ابو زرعہ نے کہا: اس کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔ اور امام ذھبي نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء

میں لکھا ہے کہ "وقال داود بن رشید: حفص کثیر الغلط." داود بن رشید نے کہا ہے کہ حفص بن غیاث اکثر غلطیاں کرتا تھا۔ سیر أعلام النبلاء جلد 9 صفحہ 22 یہ روایت تو اہل سنت کے ہاں بھی اس قابل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جاسکے کیوں کہ حافظہ کا کمزور ہونا بھی ایک سخت جرح ہے اگر اس کی تائید میں حفص بن غیاث کے علاوہ کسی سے کوئی صحیح السند روایت ہو تو یہ روایت قابل استدلال ہوگی اہل سنت کیلئے ورنہ نہیں اور یہ بتاتے چلیں کہ ہمارے سامنے اگر بطور دلیل کوئی روایت لانی ہے تو ہماری کتب سے روایات لائیں کیوں کہ یہ کوئی علمی روش ہی نہیں کہ ایسی روایت کی بنیاد پر ایک مطلب کو ثابت کیا جائے جس کو شیعہ اصلاً قبول ہی نہیں کرتے اور اس پر ہم شروع میں امام ابن حزم اندلسی کا قول نقل کر چکے ہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب مکتب تشیع تو ویسے بھی شخصیت کو نہیں دیکھتا بلکہ مکتب تشیع کردار کو دیکھتا ہے، ایمان وتقوی کو دیکھتا ہے۔ المختصر دین کا تعلق تابعداری سے ہے رشتہ داری سے نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا غرق ہو گیا اور ان کی بیوی ڈوب گئی تھی جب کہ فرعون جیسے ملعون کی زوجہ کا مقام جنت ہے۔ اسی طرح حضرت آدمؑ کے بیٹوں ہابیل اور قابیل کا قصہ دیکھ لیں ایک جہنم کا مستحق ٹھہرا اور دوسرا جنت کا المختصر یہی کہ اسلام نسب و رشتہ داری کو نہیں دیکھتا۔

## روایت نمبر 12: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ابو بکر و عمر عادل و منصف مزاج امام ہیں۔

شیخ شوشتری حضرت امام جعفر الصادق سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ان سے ابو بکر اور عمر کے متعلق سوال ہوا۔ روایت میں ہے کہ جعفر صادق سے سوال کیا۔ اس نے

پوچھا: یاابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ابوبکر اور عمر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ دونوں عادل و منصف مزاج امام ہیں۔ وہ دونوں حق پر تھے اور اسی پر ان کا وصال ہوا، سو ان دونوں پر قیامت کے دن اللہ کی خاص رحمت ہوگی۔

أخرجه التستري رحمۃ اللہ علیہ فی الحقاق الحق 16/1

**جواب:** جن کے بزرگوں کو بقول عمر بن خطاب حضرت امیر المومنین (علیهم السلام) "کَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا" سمجھتے تھے (صحیح مسلم 4577) ان کے مقتدیوں سے دیانت وامانت کی توقع رکھنا خیال محال ہے۔ اگر ان لوگوں میں امانت کا کچھ رمق بھی ہوتا تو نقلِ روایات میں اس قدر خیانت کا ارتکاب نہ کرتے اور اگر دیدے کا پانی بالکل نہ ڈھلک گیا ہوتا تو ہرگز ایسی روایات سے ثلاثہ کی فضیلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش نہ کرتے کہ اگر ان کی حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کی جائے تو بجائے فضیلت کے الٹا پیر و مرید ہر دو کی فضیحت، رسوائی اور جگ ہنسائی ہو۔ لیجیئے ہم اس روایت کا سیاق وسباق اس کا پسِ منظر اور پھر امام کی زبانی اس کی تشریح پیش کیئے دیتے ہیں تا کہ گندم نما جو فروش دکانداروں کے دجل وفریب کا پردہ چاک ہو جائے ملاحظہ فرمائیں:

"روی انه سأل رجل من المخالفين عن مولانا جعفر الصادق عليه السلام وقال: يا بن رسول الله صلى الله عليه وآله ما تقول في أبي بكر و عمر؟ فقال عليه السلام: هما إماما ن عادلان قاسطان، كانا على حق، وماتا عليه، فعليهما رحمة الله يوم القيامة"۔

روایت کی گئی ہے کہ مخالفین اہل بیتؑ میں سے ایک شخص نے امام الصادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

دریافت کیا کہ فرزند رسول ﷺ آپ ابو بکر و عمر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اسکے جواب میں امامؑ نے بطور توریہ وہ ذو معنی کلام ارشاد فرمایا کہ جسکے معنائے قریب سے مدح اور معنائے بعید سے مذمت ظاہر ہوتی ہے۔ جب سائل (سوال کرنے والا) اٹھ کر چلا گیا ......روایت یہاں پر نہیں رُکی بلکہ جاری ہے جو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے نقل نہیں کی ملاحظہ فرمائیں:

* فلما انصرف الناس قال له رجل من الخواص: یا بن رسول الله لقد تعجبت مما قلت فی حق أبی بکر و عمر *

تو خاصانِ امامؑ میں ایک شخص نے کہا: فرزند رسول ﷺ! آج آپ نے ابو بکر و عمر کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے مجھے اس سے بڑا تعجب ہوا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کے اصحاب امام الصادقؑ سے ایسا کلام بھی شیخین کے متعلق سننے کے عادی نہ تھے جس سے بظاہر مترشح ہوتی ہو) تو امام الصادق علیھم السلام نے اپنے کلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا

" نعم هما إماما أهل النار کما قال تعالی " وجعلناهم أئمة یدعون إلی النار " وأما القاسطان فقد قال تعالی " وأما القاسطون فکانوا لجهنم حطبا " وأما العادلان فلعدولهما عن الحق کقوله تعالی: " والذین کفروا بربهم یعدلون " والمراد من الحق الذی کانا مستولیین علیه هو أمیر المؤمنین علیه السلام حیث آذیاه وغصبا حقه عنه والمراد من موتهما علی الحق أنهما ماتا علی عداوته من غیر ندامة علی ذلك والمراد من رحمة الله رسول الله صلی الله علیه وآله فإنه کان رحمة للعالمین وسیکون مغضبا علیهما خصما لهما

منتقما منهما یوم الدین"

ترجمہ: ہاں وہ دونوں امام ہیں لیکن أہل النار کے جیسے اللہ تعالی فرماتا ہے" کچھ امام ہم نے ایسے بھی پیدا کیئے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بُلا تے ہیں اور قاسطہ کے ( وہ معنی یہاں مراد ہیں ) جو ارشاد خداوندی میں مراد ہیں کہ جو قاسط ہیں وہ جہنم کا ایندہن ہیں اور" عادلان" سے مراد ہے حق سے عدولی و روگردانی کرنے والے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے" جو لوگ کافر ہیں وہ حق سے عدول کرتے اور اپنے رب کے برابر ( اپنے جھوٹے معبودوں کو ) بناتے ہیں"۔حق سے مراد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہیں جن کے یہ دونوں مخالف تھے، ان کو اذیت پہنچائی اور انکا حق غصب کیا اور اسی حق کے خلاف مرے یعنی اپنے کردار پر کوئی ندامت نہیں ہوئی بلکہ علیؑ کی دشمنی پر ہی مرے اور رحمت سے مراد جناب رسول اللہ ﷺ ہیں جو اہل ایمان کیلئے رحمت ہیں۔ یہ رحمت یعنی رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن ان دونوں کے خلاف ہوں گے اور ان سے انتقام لیں گے"۔۔

قارئین محترم! دیکھا آپ نے جس روایت کو شان ابوبکر و عمر پر پیش کیا گیا تھا اس کے آخر میں ابوبکر و عمر کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

## روایت نمبر 13: زیدؒ نے کہا کہ میں ان دونوں کے متعلق صرف کلمات خیر ہی کہوں گا۔

مرزا تقی الدین خان نے بیان کیا ہے کہ امام محمد الباقرؑ کے بھائی اور امام جعفر الصادق کے چچا امام۔زید بن علی نے فرمایا: کوفہ جن سرداروں اور اشراف نے حضرت زید

سے بیعت کی تھی، ایک دن ان میں سے کچھ لوگ حضرت زید کے پاس حاضر ہوئے۔انہوں نے حضرت زید سے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ ابو بکر اور عمر کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں ان دونوں کے بارے میں صرف کلماتِ خیر ہی کہوں گا کہ جیسے میں نے اپنے بزرگانِ اہل بیت سے ان کے متعلق کلمہ خیر سنا ہے: انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہ کیا اور انہوں نے ہمارے علاوہ بھی کسی پر ظلم نہ کیا۔ وہ دونوں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا رہے۔

أخرجه في ناسخ التواريخ تحت عنوان، أحوال الإمام زين العابدين.

**جواب:** قارئین محترم! یہ جو روایت بیان کی گئی ہے اس پر تین اشکال ہیں جو ہم پیش کر رہے ہیں.

**اول:** ناسخ التواریخ میں مذکورہ روایت کی کوئی سند ہی ذکر نہیں ہوئی، کتاب کے لکھنے والے کا شمار بارہویں صدی میں ہوتا ہے اور حضرت زید شہیدؒ کی شہادت 121 ھجری کو ہے یعنی مصنف مرزا تقی الدین اور حضرت زید شہیدؒ کے درمیان تقریباً کم از کم ایک ہزار سال کا عرصہ ہے تو مرزا تقی الدین کا ان سے روایت کو نقل کرنا ممکن ہی نہیں ہے لہذا پہلے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کو چاہیئے کہ وہ اس روایت کی متصل سند تو پیش کریں بعد میں روایت استدلال کے طور پر پیش کریں اور ساتھ ہی اس روایت کا مصدر بھی پیش کریں کیونکہ ہمیں تلاش کرنے کے باوجود اس روایت کا کوئی ماخذ ہی نہ مل سکا۔

**دوم:** مذکورہ روایت شیخ کشیؒ کی نقل کردہ روایت کے برعکس ہے۔ شیخ ابو عمر کشی نے کتاب رجال میں روایت نقل کی ہے: سعد بن جناح کشی نے کہا مجھ سے علی بن محمد بن یزید قمی نے

بیان کیا جنہوں نے احمد بن محمد بن عیسی سے، انہوں نے حسین بن سعید سے جنہوں نے فضالہ بن ایوب سے جنہوں نے حسین بن عثمان رواسی سے جنہوں نے سدیر سے روایت کی جنہوں نے کہا: میں امام باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوا جب میرے ساتھ سلمہ بن کھیل، ابو المقدام ثابت حداد، سالم بن ابی حفصہ، کثیر النواء اور انکے ہمراہ ایک جماعت تھی۔ امام باقرؑ کے پاس اس وقت انکے بھائی زید بن علیؑ بھی تھے۔ تو ان سب نے امام باقرؑ سے کہا: ہم علیؑ حسنؑ و حسینؑ کو دوست بنائیں اور ان کے دشمنان سے برائت کریں؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں، تو انہوں نے کہا: ہم ابو بکر و عمر سے بھی تولیٰ (دوستی محبت) کریں؟ تو حضرت زید بن علیؑ انکی طرف مُڑے اور ان سے کہا: کیا تم حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیھا) سے برائت کرتے ہو؟ تم نے ہمارے امر کو کاٹا ہے اللہ تمھیں کاٹ دے، پس اس دن سے ان کا نام بتریہ پڑ گیا۔

رجال الکشی صفحہ 203:

**سوم:** اگر ہم فرض کرلیں جناب زید بن علی اس طرح کے عقائد کے مالک تھے تو یہ ان کا ذاتی نظریہ اور اعتقاد کہلائے گا۔ کیونکہ جناب زید معصوم نہیں ہیں اور ان کی بات ہمارے او پر حجت نہیں ہے۔ نیز یہ احتمال دیا جاسکتا ہے کہ اگر بالفرض ہم جناب زید کے کلمات کو قبول کرلیں تو سیاقِ کلام اور حالات ہر دو واضح طور پر بتاتے ہیں کہ جناب زید نے یہ بات سیاسی مصلحت کی بناء پر کی تھی۔ چونکہ کوفہ کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اہل سنت پر مشتمل تھا اور یہ افراد جناب زید کے ہاتھوں پر بیعت کرچکے تھے۔ واضح سی بات ہے کہ اُموی حکومت کے خلاف قیام میں لوگوں کی بڑی مدد اور افرادی قوت درکار تھی اس لیے عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ ایسے مسائل سے اجتناب کیا جائے جو باہمی طور پر اختلافات کو جنم دے اور لشکر کی قوت کو

پارہ پارہ کر دیں۔لہذا جناب زید نے انتہائی خوبصورت انداز میں جواب دیتے ہوئے اختلافی مسائل سے اجتناب کیا تا کہ بے جا اختلافات وجود میں نہ آئیں اور لشکر میں دلجمعی و وحدت قائم رہے۔جبکہ جناب کشی نے جو روایت نقل کی ہے اس سے جناب زید کا واضح موقف آشکار ہو جاتا ہے

## روایت نمبر 14 : امام باقرؑ نے فرمایا کہ ان دونوں نے ہمارا کوئی حق نہیں کھایا۔

محمد بن صباح بیان کرتے ہیں کہ یحیی بن متوکل ابو عقیل نے کثیر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام ابو جعفر الباقر سے کہا، اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کرے، آپ کی ابوبکر اور عمر کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کیا انہوں نے آپ کے حق میں کچھ ظلم کیا یا آپ کا حق مارا؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، اُس ذات کی قسم! جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی تا کہ وہ تمام جہانوں کو ڈرسنانے والی بن جائے، انہوں نے ہمارے حق میں رائی کے دانوں کے برابر بھی ظلم نہیں کیا۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں تو کیا میں ان کی محبت اختیار کروں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں تیرا ستیاناس! دنیا و آخرت میں ان کی دوستی اختیار کر اور اگر تمھیں کچھ خسارا ہو تو وہ میرے ذمے ہے۔

أخرجه عمر بن شبة النميري في أخبار المدينة، 125/1، الرقم/559، و ابن أبي الحديد في شرح نهج البلاغة، 82/4

**جواب:** قارئین محترم! یہاں پھر وہی بات ہے کہ شرح نھج البلاغہ ابن ابی الحدید کو شیعہ کتاب

کے طور پر پیش کیا گیا ہے حالانکہ اس ابن ابي الحدید کا دُور دُور تک شیعہ امامیہ سے واسطہ ہی نہیں ہے ابن ابي الحدید کی شخصیت پر ہم شروع میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں ۔ ابن ابي الحدید نے شرح نھج البلاغہ میں اس روایت کی درج ذیل سند نقل کی ہے ملاحظہ فرمائیں :

قال أبو بكر : وأخبرنا أبو زيد قال: حدثنا محمد بن الصباح قال: حدثنا يحيى بن المتوكل أبو عقيل، عن كثير النوال: قلت لأبي جعفر محمد بن على عليه السلام "۔

اس روایت کی سند ضعیف وغیر معتبر ہے ۔ اس سند میں موجود راوی یحیی بن المتوکل ابو عقیل ضعیف ہے ۔ حافظ بن عدي الجرجاني (277–365ھ) نے یحیی بن المتوکل کا شمار اپنی کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال میں ضعفاء (یعنی ضعیف راویوں) میں کیا۔

الكامل - عبد الله بن عدى - جلد 7 - الصفحة 206 - الرقم - 2108

الخطیب البغدادي نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں یحیی بن المتوکل ابو عقیل کے تراجم میں لکھا ہے کہ بسند معتبر علی بن المدائنی سے پوچھا گیا اور ہم نے سنا ابی عقیل کے متعلق کہ وہ کہتے تھے یہ ہمارے نزدیک ضعیف ہے اور یہ بغداد کا رہنے والا تھا۔

أخبرنا أبو نعيم الحافظ، حدثنا موسى بن إبراهيم بن النضر العطار، حدثنا محمد ابن عثمان بن أبي شيبة قال: سئل على بن المديني وأنا أسمع - عن أبي عقيل يحيى ابن المتوكل فقال: ذاك عندنا ضعيف وكان منزله ببغداد.

تاريخ بغداد - الخطيب البغدادى - جلد 14 - الصفحة 113 - الرقم - 7449

پس یہ روایت خود اہل سنت کے ہاں ضعیف وغیر معتبر ہے۔

**روایت نمبر 15: مولا علیؑ نے فرمایا کہ مجھے اس (عمر) سے زیادہ زمین پر کوئی شخص محبوب نہیں۔**

شیخ شریف المرتضی نے *الشافی فی الإمامة *میں کہا ہے: جس وقت عمر کو غسل دے دیا گیا اور کفن پہنا دیا گیا تو حضرت علیؓ تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا: مجھے تمھارے درمیان روئے زمین پر اس وقت کوئی بھی اس کفن پوش سے زیادہ محبوب نہیں کہ جس نامہ اعمال کے ساتھ میں اللہ تعالی سے ملاقات کرنے کی خواہش کروں (یعنی ان کا نامہ اعمال میرے لیئے اتنا قابل رشک ہے)۔

ذکرہ الشریف المرتضی فی الشافی فی الإمامة، 95/3

**جواب:** قارئین محترم! ہم پہلے "الشافی فی الامامة" کے متعلق ذکر کر چکے ہیں کہ شریف مرتضیؒ نے اس کتاب میں مخالفین (عبدالجبار المعتزلی کی کتاب المغنی میں) بیان کی گئی روایات کا رد اور شبھات کے جوابات لکھے ہیں۔علامہ شریف مرتضیؒ اپنے منہج کے مطابق پہلے مخالف فریق کی بیان کی گئی روایت کو لکھتے اور پھر اس کے بعد اس روایت کا جواب لکھتے تھے۔ادھر یہی ہوا ہے پہلے الشریف المرتضیؒ نے عبدالجبار المعتزلی کی کتاب "المغنی" سے روایت کو نقل کیا پھر اسکے بعد اس روایت کا رد کیا ہے۔ یہ حال ہے مکتب اہل بیتؑ سے دشمنی کرنے والوں کا کوئی استدلال کسی ڈھنگ کی روایات سے نہیں کرتے الٹا تدلیس کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں شیعوں کے بہت بڑے محدث کی بہت بڑی معتبر کتاب میں یہ روایت نقل

ہوئی ہے۔مکتب اہل بیتؑ سے اتنا تعصب کہاں سے کہاں لے آتا ہے کہاں *شیخ الاسلام*
کالقب اور کہاں روایات کے سلسلے میں خیانت وتدلیس سے لینے والے موصوف طاہر
القادری صاحب۔قارئین محترم! ہم نے آغاز میں ذکر کیا تھا کہ مخالفین اپنے روایات سے
مخالف پر حجت تمام نہیں کر سکتے لہذا مذکورہ روایت بھی کیوں کہ مخالفین کی گھڑی ہوئی ہیں اس
لیئے یہ روایت قابل استدلال ہر گز نہیں ہے۔قاضی الجبار المعتزلی نے اس روایت کو اپنی
کتاب" المغني " کی جلد 20 صفحہ 294 طبع دار الکتب العلمیہ میں نقل کیا ہے۔

**روایت نمبر 16: امام علیؑ نے فرمایا کہ ابو بکر میرے نزدیک بہ منزلہ سماعت ہیں۔**

شیخ القمي نے کہا: سیدنا امام علیؑ نے فرمایا: ابو بکر میرے نزدیک بہ منزلہ سماعت
اور عمر میرے نزدیک بہ منزلت بصارت ہیں۔

أخرجه في عيون أخبار الرضا، 244

**روایت نمبر 17: رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ابو بکر میرے نزدیک بہ منزلہ سماعت، عمر بہ منزلہ بصارت اور عثمان میرے نزدیک بہ منزلہ دل ہے۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر میرے نزدیک بہ منزلہ سماعت اور عمر میرے
نزدیک بہ منزلہ بصارت اور عثمان میرے نزدیک بہ منزلہ دل ہے۔
عنقریب لوگ میرے اس وصی کے بارے میں پوچھیں گے اور آپؐ نے حضرت علی ابن ابی

طالبؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

أخرجه صدوق فی عیون أخبار الرضا، 244/1

**جواب:** قارئین محترم مذکورہ دونوں روایت ایک ہی روایت ہے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے عوام کو دھوکہ دے کر ایک روایت کو دو بنا کر پیش کیا۔ **ایک قول** کو امام علیؑ سے منسوب کر دیا حالانکہ یہ قول امام علیؑ سے اس کتاب میں مروی ہی نہیں اور دوسرا **قول** رسول اللہ ﷺ سے **منسوب** کیا ہے۔۔ ہمارے پاس جو نسخہ ہے اس میں شیخ صدوقؒ نے اس روایت کی درج ذیل سند نقل فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیں:

86- حدثنا أبو القاسم علی بن أحمد بن محمد بن عمران الدقاق رضی الله عنه قال: حدثنا محمد بن أبی عبد الله الکوفی قال: حدثنا سهل بن زیاد الآدمی عن عبد العظیم بن عبد الله الحسنی قال: حدثنی سیدی علی بن محمد بن علی الرضا عن أبیه محمد بن علی عن أبیه الرضا عن آبائه عن الحسین بن علی علیهم السلام قال: قال رسول الله (ص): ان أبا بکر منی بمنزله السمع وان عمر منی بمنزله البصر وان عثمان منی بمنزله الفؤاد قال: فلما کان من الغد دخلت إلیه وعنده أمیر المؤمنین علیه السلام وأبو بکر وعمر وعثمان فقلت له: یا أبت سمعتك تقول فی أصحابك هؤلاء قولا فما هو فقال (ص): نعم ثم أشار إلیهم فقال: هم السمع والبصر والفؤاد وسیسألون عن وصیی هذا وأشار إلی علی بن أبی طالب علیه السلام ثم قال إن الله عز وجل یقول: (ان السمع والبصر والفؤاد کل أولئك کان عنه مسؤولا) ثم قال علیه السلام: وعزه ربی أن جمیع

أمتي لموقوفون يوم القيامة ومسؤولون عن ولايته وذلك قول الله عز وجل:
(وقفوهم انهم مسؤلون)

...عيون أخبار الرضا عليه السلام - الشيخ الصدوق - جلد 2 - الصفحة 270

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔اس میں ایک راوی سھل بن زیاد ہے اس کو علماء نے ضعیف جانا ہے۔شیخ نجاشیؒ اپنی کتاب رجال میں سھل بن زیاد کے متعلق لکھتے ہیں:

490۔ سهل بن زياد أبو سعيد الآدمي الرازي كان ضعيفا في الحديث، غير معتمد فيه. وكان أحمد بن محمد بن عيسى يشهد عليه بالغلو والكذب وأخرجه من قم إلى الري وكان يسكنها،

سہل بن زیاد ابوسعید الآدمی الرازی حدیث میں ضعیف تھا، اس میں غیر معتمد بھی، اور احمد بن محمد بن عیسی نے اس کے خلاف غلو وجھوٹ کی گواہی دی اور اس کو قم سے نکال کر رے بھیج دیا اور وہ وہیں رہتا تھا۔رجال نجاشي رقم 490 شیخ الطوسيؒ نے الفہرست میں سھل بن زیاد کو ضعیف لکھا ہے۔

[339] 4-سهل بن زياد الادمي الرازي، يكنى أبا سعيد، ضعيف. الفهرست - الشيخ الطوسی - الصفحة 142

شیخ طوسی اپنی کتاب الاستبصار میں سھل بن زیاد کے متعلق مزید لکھتے ہیں: "هو ضعيف جدا عند نقاد الاخبار وقد استثناه أبو جعفر بن بابويه في رجال نوادر الحكمة" وہ

بہت ضعیف ہے روایات کے ناقدوں کے نزدیک۔ اور ابو جعفر بن بابویہ نے اس کو نوادر الحکمہ کے راویوں سے مستثنی کر دیا تھا۔

الاستبصار، ج3، ص 261

شیخ ابن الغضائري سے منسوب کتاب میں اس راوی کے متعلق لکھا ہے:

[65]-11-سهل بن زياد، أبو سعيد، الآدمي، الرازي. كان ضعيفا جدا، فاسد الرواية والدين، وكانَ أَحمَدُ بنُ مُحَمَّد بن عِيسى الأشعريُّ أَخرَجَهُ من قُم، وأظهَرَ البَراءَةَ منهُ، ونَهَى الناسَ عن السماع منهُ والرِواية عنهُ.

سہل بن زیاد، ابوسعید آدمی، رازی۔ وہ بہت ضعیف تھا، روایت و دین میں فاسد۔ اور احمد بن محمد بن عیسی اشعری نے اس کو قم سے نکالا، اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اور لوگوں کو اس سے حدیث سننے اور اس سے روایت کرنے سے منع کیا۔

رجال ابن الغضائري-أحمد بن الحسين الغضائري الواسطي البغدادي-الصفحة 67 شیخ کشی ؒ نے اپنی رجال میں سہل بن زیاد پر ایک فصل باندھی ہے اور فضل بن شاذان کا ان کے متعلق قول ذکر کیا ہے کہ وہ احمق تھا۔

1068۔ قَالَ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقُتَيْبِيُّ، سَمِعْتُ الْفَضْلَ بْنَ شَاذَانَ، يَقُولُ فِي أَبِي الْخَيْرِ وَهُوَ صَالِحُ بْنُ سَلَمَةَ أَبِي حَمَّادٍ الرَّازِيُّ كَمَا كَنَّى، وَقَالَ عَلِيٌّ: كَانَ أَبُو مُحَمَّدٍ الْفَضْلُ يَرْتَضِيهِ وَيَمْدَحُهُ وَلَا يَرْتَضِي أَبَا سَعِيدٍ الْآدَمِيَّ وَيَقُولُ هُوَ الْأَحْمَقُ.

رجال کشي، رقم 1068، بسند معتبر

پس عیون اخبار الرضاؑ کی روایت سنداً ضعیف و غیر معتبر ہے۔

**روایت نمبر 18: امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ حضور اکرمؐ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر و عمر ہیں۔**

شیخ قمي روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے منبر پر فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر اور عمر ہیں۔

أخرجه أبو جعفر محمد بن علي في عيون أخبار الرضا، 185,184/2

**جواب:** قارئین محترم! ہم یہاں وہی جملے دہراتے ہیں جو اس سے قبل بھی ایک مقام پر ہم دہرا چکے ہیں۔ جن کے بزرگوں کو بقول عمر بن خطاب حضرت امیر المومنین علیہم السلام "كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا" سمجھتے تھے (صحیح مسلم ۴۵۷۷) ان کے مقتدیوں سے دیانت و امانت کی توقع رکھنا خیال محال ہے۔ اگر ان لوگوں میں امانت کا کچھ رمق بھی ہوتا تو نقلِ روایات میں اس قدر خیانت کا ارتکاب نہ کرتے اور اگر دیدے کا پانی بالکل نہ ڈھلک گیا ہوتا تو ہرگز ایسی روایات سے ثلاثہ کی فضیلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش نہ کرتے کہ اگر ان کی حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کی جائے تو بجائے فضیلت کے الٹا پیر و مرید ہر دو کی فضیحت، رسوائی اور جگ ہنسائی ہو۔ لیجیئے ہم اس روایت کا سیاق و سباق قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہمارے پاس جو نسخہ ہے اس میں شیخ صدوقؒ نے جلد 1 صفحہ 199 پر اس روایت کو نقل کیا ہے روایت کافی طویل ہے اس لیئے ہم یہاں فقط سیاق و سباق پیش کر رہے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ یہ شیخ الاسلام کے نام سے جانا جانے والے کس قسم کی روایت سے استدلال کر رہا ہے۔

اسحاق بن حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحیي بن اکثم قاضی کو کہتے ہوئے سنا:

مامون نے مجھے حکم دیا کہ میں محدثین، متکلمین اور مناظرین کی ایک جماعت فراہم کروں، تو
میں نے محدثین و متکلمین دونوں قسم کے تقریباً چالیس افراد جمع کر دیئے
اور ان سب کو لے کر میں دربار میں پہنچا اور انہیں دربان کے پاس بٹھا کر میں اندر گیا تا کہ
انھیں یہ بتا دوں کہ یہ لوگ کس مرتبے اور منزلت کے ہیں۔
مامون نے اس سب کے رتبے و منزلت کو سن کر کہا:
اچھا ان سب کو میرے سامنے لاؤ، میں چاہتا ہوں کہ* آج آپ لوگوں کے سامنے اس حجت کو
تمام کر دوں جو مجھ پر عند اللہ فرض ہے
*لہذا اب آپ حضرات میں سے جن صاحب کو اپنی ضروریاتِ بشری سے سے فارغ ہونا ہو تو
وہ فارغ ہو جائیں اور اپنے موزے اور ردائیں اتار کر بے تکلف بیٹھ جائیں۔ چنانچہ جب وہ
لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھ گئے تو مامون نے ان سے خطاب کیا۔
**حضرات میں نے آپ کو آج اس لیئے زحمت دی ہے کہ آپ سے ایک مسئلے پر گفتگو کروں اور
آپ سے بھی مجھے یہ امید ہے کہ ہمہ تن گوش ہو کر اس گفتگو کو سنیں گے۔ مامون: سنیئے حضرات!
میں ایک شخص ہوں جس کا دعوی ہے کہ**
*** بعد از نبی کریم ﷺ کے امیر المومنین علي بن ابیطالب (علیھم السلام) خیر البشر اور افضل
الخلائق ہیں***
اگر آپ حضرات کے نزدیک میرا یہ دعوی سچا ہے تو اس کی تائید کیجیئے گا ورنہ اسے رد کریں اور
اب اس سلسلے میں آپ کہیں تو میں چند سوالات کروں یا پھر آپ حضرات مجھ سے سوالات پوچھ
سکتے ہیں۔

تو اس گروہ میں سے ایک محدث نے کہا:

ہم آپ سے سوال کریں گے. مامون نے کہا: بہتر مگر آپ حضرات اپنے حلقے میں سے ایک شخص کو گفتگو (مباحثہ کیلئے) منتخب کرلیں تا کہ صرف وہی بات کرے باقی سب سنتے رہیں، البتہ اسکے بعد اگر کوئی اور شخص مزید گفتگو کرنا چاہے تو اس کی کمی پوری کرسکتا ہے۔

قارئین محترم! اب یہاں پر اہل سنت کے محدثین نے اپنے اپنے سوالات کیئے اور ان کے پاس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام سے منسوب جو روایتیں تھیں۔ ان کو پیش کیا اور مامون نے ان کے احسن انداز میں مدلل جوابات دیئے اسی سلسلے میں اہل سنت کے ایک محدث نے وہی روایت پیش کی کہ جسے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب جیسے خائن شخص نے شیعی روایت کے طور پر پیش کی جب کہ یہ روایت اہل سنت کے اور مامون کے درمیان مناظرے پر مشتمل ہے اور اہل سنت محدث نے اس روایت کو ذکر کیا۔

اچھا قارئین مکتب اہل سنت کے ایک محدث نے کہا: جناب عالی آپ کا دعوی غلط ہے کیوں کہ حضرت علي علیہ الصلوۃ والسلام نے برسرِ منبر خود فرمایا:

خير هذه الأمة بعد نبيها أبو و عمر

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں"۔

مامون نے جواب میں کہا: آپ خود سوچیں کہ یہ کیسے ممکن ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کو پوری امت سے بہتر سمجھتے تو ان دونوں کو کبھی عمرو بن العاص اور کبھی اسامہ بن زید کے ماتحت نہ کرتے۔ (مختلف لشکر میں یہ ماتحت تھے بخاری سے اور دیگر کتب میں یہ واضع مل جاتا ہے)

اور روایت کی تکذیب تو خود امام علي (عليهم السلام) کا یہ قول کر رہا ہے:

لما قبض النبی ﷺ: وأنا أولى بمجلسه مني بقميصي ولكني أشفقت أن يرجع الناس كفارا

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا حقدار تھا مگر میں نے سوچا یہ لوگ ابھی تو مسلمان ہوئے ہیں اگر میں ان سے الجھوں گا تو پھر یہ کافر نہ ہو جائیں۔ نیز امیر المومنین علي ابن ابیطالب (عليهم السلام) نے فرمایا

أنى يكونان خيرا مني وقد عبدت الله تعالى قبلهما وعبدته بعدهما؟

یہ دونوں مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ میں ان دونوں کے اسلام سے پہلے اللہ کی عبادت کرتا رہا اور ان دونوں کی وفات کے بعد بھی عبادت کر رہا ہوں؟

پس مامون کا یہ جواب سن کر اہل سنت محدث لاجواب ہو گیا۔

عيون أخبار الرضا عليه السلام - الشيخ الصدوق - جلد 1 - الصفحة 201

قارئین محترم! یہ تھیں وہ اٹھارہ (18) روایات جو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے اپنی کتاب میں شیعی روایات کے طور پر پیش کی تھیں۔ الحمد اللہ ان تمام کے جوابات مکمل ہو گئے ہیں۔۔

نوٹ: قارئین محترم! ہم نے اس رسالہ میں اکثر کتابوں کے حوالاجات کیلئے ویب سائیٹ Shiaonilnelibrary کا استعمال کیا۔ اس لیئے آپ کو ہمارے اس رسالہ میں زیادہ تر حوالے اس ویب سائیٹ سے ملیں گے۔

## امام جواد التقی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شان ابوبکر و عمر پر مبنی روایات کے جوابات:

قارئین محترم! طاہر القادری نے آٹھویں روایت اسی روایت سے نقل کی تھی جس کا ہم نے جواب بھی لکھا تھا لیکن اب ہم اس روایت مکمل نقل کر رہے ہیں تا کہ آپ اپنے امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوابات سے آگاہ ہوں۔

ابومنصور طبرسیؒ اپنی کتاب الاحتجاج میں لکھتے ہیں: منقول ہے کہ مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد امام جواد تقی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کرنے کے بعد ایک دن ایک نشست میں امامؑ کی حاضری میں یحیی ابن اکثم اور بہت سے لوگ جمع تھے۔ یحیی ابن اکثم نے کہا:

اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس حدیث کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے کہ ایک دن جبرائیل امینؑ رسول اسلامؐ پر نازل ہوئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خداوند عالم بعد سلام فرماتا ہے کہ ابوبکر سے پوچھیئے کہ کیا وہ مجھ سے راضی ہے حالانکہ میں اس سے راضی ہوں۔ امام جواد تقی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں ابوبکر کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں لیکن اس حدیث کے راوی پر واجب ہے کہ اس حدیث رسول کی دوسری حدیث سے موازنہ اور مقابلہ کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کے سفر میں فرمایا:

مجھ پر جھوٹ کی کثرت ہوگئی ہے اور میرے بعد مزید اضافہ ہوتا جائے گا

پس جو بھی عمداً مجھ پر جھوٹ کا الزام لگائے گا وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے گا، اور فرمایا:

جب میری کوئی حدیث تم تک پہنچے تو اس کتابِ خدا اور سنتِ پیغمبر میں پیش کرو جو حدیث ان دو کے موافق ہو اسے لے لو اور جو ان دونوں کے مخالف ہوں اسے ترک کر دو۔ جو حدیث تو

(یحیی ابن اکثم ) نے نقل کی ہے وہ کتابِ خدا سے موافق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ﴿۱۶﴾

ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے نفس کے وسوسہ کو بھی ہم جانتے ہیں اور ہم رگ گردن سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (سورہ ق آیت 16)

تمھاری حدیث کی بناء پر ابو بکر کی خوشی اور ناراضگی اللہ پر مخفی تھی اور اس نے ان کے چھپے ہوئے راز کا سوال کیا ہے؟

یہ مطلب محال عقلی ہے۔

یحیی ابن اکثم نے کہا: حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ابو بکر اور عمر کی مثال زمین میں جبرائیل اور میکائیل کی مثال آسمان کی طرح ہے۔

امام جواد تقی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: یہ مطلب بھی قابل غور ہے کیونکہ جبرائیلؑ اور میکائیلؑ دو مقرب فرشتے ہیں۔ جنہوں نے ہرگز ہرگز پروردگار کی معصیت نہیں کی یہاں تک کہ وہ ایک لمحہ کیلئے اطاعتِ خدا سے جدا نہیں ہوئے اور ابو بکر و عمر بہت عرصہ تک مشرک تھے اگرچہ بعد میں اسلام لائے پس ان کی زیادہ عمر شرک میں گزری لہذا ان دونوں کی ان دونوں سے تشبیہ محال ہے۔

یحیی ابن اکثم نے کہا: آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ صرف وہ دونوں (ابو بکر و عمر) جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں؟

امام جواد تقی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: یہ حدیث بھی محال ہے کیونکہ تمام اہل جنت جوان ہونگے

ان میں کوئی بوڑھا نہیں ہوگا یہ بنی امیہ کی جعلی حدیث ہے۔
جوانہوں نے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کے مقابلے میں گھڑی ہے کہ حسنؑ وحسینؑ (علیھم السلام) جوانان جنت کے سردار ہیں۔
یحیی ابن اکثم نے کہا: یہ بھی حدیث ہے کہ عمر بہشت کا چراغ ہے؟
امام جواد تقی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: یہ حدیث بھی محال ہے کیونکہ جنت میں تمام ملائکہ مقرب، تمام انبیاء ومرسلین اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے تو کیا ان سے جنت منور نہیں ہوگی کہ پھر عمر کے نور کی ضرورت ہو۔
(جب کہ سب جانتے ہیں کہ جنت میں آگ نہیں ہوگی یہ چراغ کہیں اور جلیں گے انشاء اللہ)

یحیی ابن اکثم نے کہا: سکون وآرام عمر کی زبان سے جاری ہوتا ہے اس حدیث کے بارے میں کیا خیال ہے؟
امام جواد تقی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: میں عمر کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں لیکن (تمھارے عقیدے کے مطابق) ابوبکر عمر سے افضل تھے اور انہوں نے منبر پر اعلان کیا کہ میرا ایک شیطان ہے جو مجھ پر عارض ہوتا ہے جب میں منحرف ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔
یحیی ابن اکثم نے کہا: رسول اللہ ؐ سے منقول ہے کہ اگر میں نبوت پر مبعوث نہ ہوتا تو عمر بھیجے جاتے؟
امام جواد تقی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: کتابِ خدا اس روایت سے زیادہ سچی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ اس وقت یاد کرو جب ہم نے انبیاء سے ان کا پیمان لیا اور تم سے اور نوح سے جو عہد و

پیمان خدا نے انبیاء سے لیا۔ کیسے ممکن ہے کہ جو عمر مشرک رہا اور نبوت پر مبعوث ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدمؑ روح و جسم کے درمیان تھے۔

یحیی ابن اکثم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کبھی وحی منقطع ہو جاتی تو مجھے گمان ہوتا کہ آل خطاب پر نازل ہو گئی؟

امام جواد تقی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: یہ بھی محال ہے کیونکہ جائز نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نبوت میں شک کریں خداوند متعال نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾

اللہ ملائکہ اور انسانوں میں رسولوں کا انتخاب کرتا ہے.........! سورہ الحج آیت 75

پس کیسے ممکن ہے کہ نبوت اللہ کے منتخب شدہ فرد سے مشرک کی طرف منتقل ہو جائے؟

یحیی ابن اکثم نے کہا: رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ اگر عذاب خدا نازل ہو جائے تو صرف عمر نجات پائیں گے ؟

امام جواد تقی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: یہ بھی محال ہے کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اللہ ان پر عذاب نہیں کرے گا جب تم ان کے درمیان ہو گے خدا ان کو معذب نہیں کرے گا درحالانکہ وہ توبہ و استغفار کرتے ہوں۔ سورہ انفال آیت 33

اس آیت میں اللہ نے خبر دی ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور توبہ کرنے والے ہوں اللہ

ان پر عذاب نہیں کرے گا۔احتجاج، جلد 3 / 4، صفحہ 385 تا 387 (اردو)
یہ تھی ابو بکر عمر اور عثمان کی اور بنی امیہ کی شان بازبانِ امام

## مخالفین اہل بیت (علیہم السلام) سے مامون کا مناظرہ

قارئین کرام یہ روایت بہت لمبی ہے اس لیئے ہم اسے لکھنے سے قاصر ہیں لیکن کیونکہ یہ مناظرہ بہت عمدہ اور بہترین ابحاث پر مشتمل ہے اس لیئے ہم کتاب عیون اخبار الرضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلد دوم سے صفحات آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

بَكْرٍ اسْتَخْلَفَ وَ عُمَرَ لَمْ يَتْرُكِ الِاسْتِخْلَافَ كَمَا تَرَكَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِزَعْمِكُمْ وَ لَمْ يَسْتَخْلِفْ كَمَا فَعَلَ أَبُو بَكْرٍ وَ جَاءَ بِمَعْنًى ثَالِثٍ فَخَبِّرُونِي أَيَّ ذَلِكَ تَرَوْنَهُ صَوَاباً فَإِنْ رَأَيْتُمْ فِعْلَ النَّبِيِّ ﷺ صَوَاباً فَقَدْ أَخْطَأْتُمْ أَبَا بَكْرٍ وَ كَذَلِكَ الْقَوْلُ فِي بَقِيَّةِ الْأَقَاوِيلِ وَ خَبِّرُونِي أَيُّهُمَا أَفْضَلُ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِزَعْمِكُمْ مِنْ تَرْكِ الِاسْتِخْلَافِ أَوْ مَا صَنَعَتْ طَائِفَةٌ مِنَ الِاسْتِخْلَافِ وَ خَبِّرُونِي هَلْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ تَرْكُهُ مِنَ الرَّسُولِ ﷺ هُدًى وَ فِعْلُهُ مِنْ غَيْرِهِ هُدًى فَيَكُونَ هُدًى ضِدَّ هُدًى فَأَيْنَ الضَّلَالُ حِينَئِذٍ وَ خَبِّرُونِي هَلْ وُلِّيَ أَحَدٌ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِاخْتِيَارِ الصَّحَابَةِ مُنْذُ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْيَوْمِ فَإِنْ قُلْتُمْ لَا فَقَدْ أَوْجَبْتُمْ أَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ عَمِلُوا ضَلَالَةً بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَ إِنْ قُلْتُمْ نَعَمْ كَذَّبْتُمُ الْأُمَّةَ وَ أَبْطَلَ قَوْلَكُمُ الْوُجُودُ الَّذِي لَا يُدْفَعُ وَ خَبِّرُونِي عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ قُلْ لِمَنْ ما فِي السَّماواتِ وَ الْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ أَ صِدْقٌ هَذَا أَمْ كَذِبٌ قَالُوا صِدْقٌ قَالَ أَ فَلَيْسَ مَا سِوَى اللهِ لِلَّهِ إِذْ كَانَ مُحْدِثَهُ وَ مَالِكَهُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَفِي هَذَا بُطْلَانُ مَا أَوْجَبْتُمْ مِنِ اخْتِيَارِكُمْ خَلِيفَةً تَفْتَرِضُونَ طَاعَتَهُ وَ تُسَمُّونَهُ خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَ أَنْتُمُ اسْتَخْلَفْتُمُوهُ وَ هُوَ مَعْزُولٌ عَنْكُمْ إِذَا غَضِبْتُمْ عَلَيْهِ وَ عَمِلَ بِخِلَافِ مَحَبَّتِكُمْ وَ مَقْتُولٌ إِذَا أَبَى الِاعْتِزَالَ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللهِ كَذِباً فَتَلْقَوْا وَبَالَ ذَلِكَ غَداً إِذَا قُمْتُمْ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ تَعَالَى وَ إِذَا وَرَدْتُمْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَ قَدْ كَذَبْتُمْ عَلَيْهِ مُتَعَمِّدِينَ وَ قَدْ قَالَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي قَدْ أَرْشَدْتُهُمْ اللَّهُمَّ إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ مَا وَجَبَ عَلَيَّ إِخْرَاجُهُ مِنْ عُنُقِي اللَّهُمَّ إِنِّي لَمْ أَدَعْهُمْ فِي رَيْبٍ وَ لَا فِي شَكٍّ اللَّهُمَّ إِنِّي أَدِينُ بِالتَّقَرُّبِ إِلَيْكَ بِتَقْدِيمِ عَلِيٍّ ؑ عَلَى الْخَلْقِ بَعْدَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ كَمَا أَمَرَنَا بِهِ رَسُولُكَ ﷺ قَالَ ثُمَّ افْتَرَقْنَا فَلَمْ نَجْتَمِعْ بَعْدَ ذَلِكَ حَتَّى قُبِضَ الْمَأْمُونُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ يَحْيَى بْنِ عِمْرَانَ الْأَشْعَرِيُّ وَ فِي حَدِيثٍ آخَرَ قَالَ فَسَكَتَ الْقَوْمُ فَقَالَ لَهُمْ لِمَ سَكَتُّمْ قَالُوا لَا نَدْرِي مَا نَقُولُ قَالَ تَكْفِينِي هَذِهِ الْحُجَّةُ عَلَيْكُمْ ثُمَّ أَمَرَ بِإِخْرَاجِهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا مُتَحَيِّرِينَ خَجِلِينَ ثُمَّ نَظَرَ الْمَأْمُونُ إِلَى الْفَضْلِ بْنِ سَهْلٍ فَقَالَ هَذَا أَقْصَى مَا عِنْدَ الْقَوْمِ فَلَا يَظُنُّ ظَانٌّ أَنَّ جَلَالَتِي مَنَعَتْهُمْ مِنَ النَّقْضِ عَلَيَّ.

**ترجمہ**

اسحاق بن حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن اکثم قاضی کو کہتے ہوئے سنا: مامون نے مجھے حکم دیا کہ میں محدثین، متکلمین اور مناظرین کی ایک جماعت فراہم کروں۔ تو میں نے محدثین و متکلمین دونوں قسم کے تقریباً چالیس افراد

جمع کر دیئے اور ان سب کو لے کر دربار میں پہنچا اور انہیں دربان کے پاس بٹھا کر میں اندر گیا تا کہ انہیں یہ بتا دوں کہ یہ لوگ کس مرتبے اور منزلت کے ہیں۔

مامون نے ان سب کے رتبے اور منزلت سن کر کہا: اچھا! ان سب کو میرے سامنے لاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ لوگوں کے سامنے اس حجت کو تمام کر دوں جو مجھ پر عنداللہ فرض ہے۔ لہٰذا اب آپ حضرات میں سے جن صاحب کو اپنی ضروریات بشری سے فارغ ہونا ہو وہ فارغ ہو جائیں۔ اپنے موزے اور ردائیں اتار کر بے تکلف بیٹھ جائیں۔

چنانچہ جب وہ لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے تو مامون نے ان سے خطاب کیا حضرات! میں نے آپ کو آج اس لئے زحمت دی ہے کہ آپ سے ایک اہم مسئلے پر گفتگو کروں اور آپ سے بھی مجھے یہ امید ہے کہ ہمہ تن گوش ہو کر اس گفتگو کو سنیں گیں۔

مامون: سنیے! میں ایک شخص ہوں جس کا دعویٰ ہے کہ بعد از نبی اکرمؐ حضرت علی خیر البشر اور افضل الخلائق ہیں۔ اگر آپ حضرات کے نزدیک بھی میرا یہ دعویٰ سچا ہے تو اس کی تصدیق و تائید کریں ورنہ اسے رد کر دیں۔ اور اب اس سلسلے میں اگر آپ کہیں تو میں چند سوالات کروں یا آپ حضرات مجھ سے سوالات پوچھ سکتے ہیں۔

پہلا محدث: ہم آپ سے سوال کریں گے۔

مامون: بہتر! مگر آپ حضرات اپنے حلقے میں سے ایک شخص کو گفتگو کے لئے منتخب کر لیں تا کہ صرف وہی بات کرے باقی سب سنتے رہیں۔ البتہ اس کے بعد اگر کوئی اور شخص مزید گفتگو کرنا چاہے تو وہ اس کی کمی پوری کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک محدث نے بحث کا آغاز اس طرح کیا۔

محدث: امیر المومنین! ہمارا نظریہ یہ ہے کہ رسول خدا کے بعد حضرت ابوبکر ہی تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اور ہمارا یہ نظریہ رسول اکرمؐ کی ایک متفقہ حدیث کی بنیاد پر قائم ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”تم میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرنا“

پس جب رسول رحمتؐ نے شیخین کی اقتدا کا حکم دے دیا ہے تو اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ آپؐ نے لوگوں کو ان کی اقتدا کا حکم دیا ہے جو کہ تمام لوگوں سے بہتر ہے۔

مامون: یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے پاس روایات زیادہ ہیں اور ان روایات کے متعلق تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو تمام روایات سچی ہیں یا تمام روایات جھوٹی ہیں یا پھر کچھ سچی اور کچھ جھوٹی ہیں۔

تمام روایات کو سچا ماننا ممکن نہیں ہے کیونکہ ان میں سے کچھ روایات دوسری روایات کی متضاد ہیں اور تمام روایات کو باطل کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر تمام روایات کو غلط تسلیم کر لیا جائے تو پھر پورے کا پورا دین اور پوری شریعت ہی باطل ہو جائے گی (کیونکہ دین شریعت روایات کی اساس پر قائم ہے) اور جب پہلی دو صورتیں غلط ہیں تو ہمیں لازمی طور پر تیسری

صورت کو صحیح قرار دینا ہوگا اور تیسری صورت یہ ہے کہ بعض روایات حق اور بعض روایات باطل ہیں۔ اور اس کے لیے ہمیں کسی محکم دلیل کی ضرورت ہوگی جس سے صحیح روایات کو ثابت اور اس کی متضاد روایات کی نفی کی جاسکے اور جب روایت صحیح ثابت ہو جائے تو ہمیں اس پر اعتقاد رکھنا چاہیے اور اس سے تمسک کرنا چاہیے اور جو روایت آپ نے پیش کی ہے اس کا تعلق ان روایات سے ہے جن کے باطل ہونے کی دلیلیں خود ان کے اندر موجود ہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ اور امر مسلم یہ ہے کہ رسول اکرمؐ تمام صاحبان حکمت سے بڑے حکیم اور تمام مخلوقات میں سب سے بڑے راست گو تھے اور آپؐ کے متعلق یہ بات سوچی ہی نہیں جاسکتی کہ آپؐ کسی ناممکن اور امر محال کا حکم فرمائیں اور لوگوں کو مجبور کریں کہ وہ غلط بات پر عقیدہ رکھیں اور دیانت داری کے خلاف عمل کریں اور جو روایت آپ نے پیش کی ہے اس میں یہی بات نظر آتی ہے۔

اور اسی روایت میں جن دو افراد کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے وہ دونوں یا تو ہر لحاظ سے متفق ہوں یا مختلف ہوں گے۔ اور اگر دونوں ہر لحاظ سے متفق ہیں تو پھر انہیں عدد، صفت، صورت، جسم اور فرد واحد تسلیم کرنا پڑے گا اور ایسا ناممکن ہے کہ دو افراد ہر لحاظ سے ایک ہوں۔ اور اگر وہ دونوں مختلف تھے تو ان کے باہمی اختلاف کے باوجود لوگوں کو ان کی اقتداء کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے؟ اور یہ ''تکلیف مالا یطاق'' ہے۔

کیونکہ اگر انسان ایک کی اقتدا کرے گا تو دوسرے کی مخالفت کرے گا اور شیخین کے باہمی اختلاف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے اہل ارتداد کو قید کرنے کا حکم دیا تھا اور حضرت عمر نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ خالد بن ولید کو سالاری سے معزول کردیں اور مالک بن نومیرہ کے قصاص میں اسے قتل کردیں۔ مگر حضرت ابوبکر نے ان کا مشورہ قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت عمر نے متعۃ الحج اور متعۃ النساء کو حرام قرار دیا تھا جب کہ حضرت ابوبکر نے ایسا نہیں کیا تھا حضرت عمر نے وظائف کے رجسٹرات مرتب کرائے تھے جب کہ حضرت ابوبکر نے ایسا نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے اپنے بعد کے لیے ایک شخص کو اپنا خلیفہ نامزد کیا، جب کہ حضرت عمر نے کسی فرد واحد کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا اور یہ معاملہ شوریٰ پر چھوڑا تھا۔ اس کے علاوہ بھی شیخین میں باہمی اختلافات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

خدارا! اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ اتنے اختلافات کے باوجود ان دونوں کی ایک بیک وقت اقتدا کیسے کی جاسکتی ہے؟

قول مؤلف: مصنف کتاب ہذا کے مصنف کہتے ہیں کہ یہ گفتگو انتہائی فیصلہ کن ہے اور اس بحث کے دوران مامون کو یہ کہنا یاد نہ رہا کہ محدثین اہل سنت نے مذکورہ حدیث کو "اقتدوا باللذین من بعد ابوبکر و عمر" کے الفاظ سے بیان نہیں کیا۔ اگر وہ اس روایت کو ان الفاظ سے بیان کرتے تو اس سے شیخین کی اقتدا کرنے کا حکم ثابت ہوتا۔

محدثین اہل سنت نے اس روایت کو ان الفاظ سے بیان کیا اور بعض محدثین نے اس روایت کو ان الفاظ سے بیان

کیااور اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ''نصب'' کی صورت میں حدیث کا عربی مفہوم یوں ہوگا۔

1۔''اے ابوبکر و عمر! تم دونوں میرے بعد دو چیزوں یعنی قرآن اور میری عترت کی اقتدا کرنا''۔

اور اگر اس روایت کو ''رفع'' کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا عربی زبان میں مفہوم اس طرح سے ہوگا۔

2۔''اے لوگو اور اے ابوبکر و عمر! دونوں بھی میرے بعد اللہ کی کتاب اور عترت کی اقتدا کرنا''۔

الغرض جن دو مذکورہ طریقوں سے محدثین اہل سنت نے اس روایت کو بیان کیا ہے اس سے کسی طور پر حضرت ابوبکر و عمر کی اقتدا کا حکم سرے سے ثابت ہی نہیں ہوتا۔

آمدم برسر مطلب اس کے بعد دوسرے محدث نے گفتگو شروع کی۔

دوسرا محدث: مگر آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:۔

''اگر میں کسی کو اپنا خلیل منتخب کرتا تو حضرت ابوبکر کو ہی اپنا خلیل منتخب کرتا''۔

مامون: یہ بھی ناممکن ہے۔ اس لئے کہ آپ لوگ ہی یہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ میں مواخات قائم کرائی یعنی انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا مگر حضرت علیؑ کو چھوڑ دیا اور انہیں کسی کا بھائی نہ بنایا۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: یارسول اللہؐ! آپؐ نے لوگوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا لیکن مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا تو آپؐ نے فرمایا: علیؑ! میں نے تمہیں اپنے لئے منتخب کیا ہے۔

''تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو''۔

لہٰذا یہ روایت اور ابھی آپ نے جو روایت پڑھی ہے دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اور یہ دونوں بیک وقت کیسے صحیح ہوسکتی ہیں؟

اور صاف بات ہے کہ ان میں سے ایک ہی صحیح ہوگی اور دوسری غلط۔

چنانچہ یہ جواب سن کر وہ بھی خاموش ہوگیا۔

تیسرا محدث: جناب عالی! مگر حضرت علی علیہ السلام نے خود برسر منبر کہا ہے:۔

''نبی اکرمؐ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں''۔

مامون: آپ خود سوچیں کہ یہ کیسے ممکن ہے اگر رسول خدا ﷺ ان دونوں بزرگوں کو پوری امت سے بہتر سمجھتے تو ان دونوں کو کبھی عمرو بن العاص اور کبھی اسامہ بن زید کے ماتحت نہ کرتے اور اس روایت کی تکذیب تو حضرت علیؑ کا یہ قول کر رہا ہے۔

''جب نبی اکرمؐ کی وفات ہوئی تو میں آنحضرت ﷺ کی جانشینی کا سب سے زیادہ حقدار تھا۔ مگر میں نے سوچا کہ

یہ لوگ ابھی ابھی تو چند دن پہلے مسلمان ہوئے ہیں اگر میں ان سے الجھوں گا تو پھر یہ کہیں کافر نہ ہو جائیں‘‘۔

نیز حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ’’یہ دونوں مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ میں ان دونوں کے اسلام لانے سے پہلے اللہ کی عبادت کرتا رہا اور ان دونوں کی وفات کے بعد بھی اللہ کی عبادت کر رہا ہوں‘‘۔

یہ سن کر وہ محدث لاجواب ہو گیا۔

چوتھا محدث: مگر یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنا دروازہ بند کر لیا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھ سے یہ عہدہ لے لے اور میں اس کے حق میں دست بردار ہو جاؤں؟

اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے ان سے کہا، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو مقدم کیا تو پھر آپ کو مؤخر کون کر سکتا ہے؟

مامون: مگر یہ روایت بھی درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر سے بیعت سے کنارہ کشی کی تھی اور آپ لوگوں کی روایات میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں کہ جب تک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا زندہ رہیں تو ۔۔۔قت تک حضرت علی علیہ السلام بیعت سے کنارہ کش رہے۔

۔۔۔ فوت ہوئی تھیں کہ مجھے شب کے اندھیرے میں دفن کرنا تا کہ یہ دونوں میرے ۔۔۔ے میں شریک نہ ہوں۔

اور آپ کی بیان کردہ روایت کے غلط ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنا خلیفہ بنا گئے تھے تو پھر انہیں جائز ہی نہیں کہ وہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہوں، اور انہیں کیا حق تھا کہ وہ ایک نصاریٰ سے یہ کہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں پر ابوعبیدہ یا حضرت عمر کو خلیفہ بنا کر خود خلافت سے دستبردار ہو جاؤں۔

جواب معقول تھا اس لیے وہ بھی خاموش ہو گیا۔

پانچواں محدث: ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ عمرو بن العاص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہؐ! خواتین میں سے آپ کو سب سے زیادہ کون سی خاتون پیاری ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ

پھر عمرو بن العاص نے آپؐ سے پوچھا: اور مردوں میں سے کون آپؐ کو زیادہ محبوب ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کے والد۔

مامون: یہ روایت بھی درست نہیں ہے اس لیے کہ آپ حضرات کے پاس ایک مشہور اور متواتر روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بھنا ہوا پرندہ رکھا گیا تو آپؐ نے دعا فرمائی کہ پروردگار! جو تیرے نزدیک ساری

مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو اس کو اسی وقت بھیج دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کو بھیج دیا۔ اب آپ بتائیں کہ اس متواتر روایت کے سامنے آپ کی پیش کردہ روایت کو کس طرح قبول کیا جائے؟

چھٹا محدث: حضرت علیؑ نے خود ہی کہا ہے کہ جو شخص مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر فضیلت دے گا تو اس کو میں اتنے تازیانے ماروں گا، جتنے تازیانے ایک جھوٹے اور مفتری کو مارے جاتے ہیں۔

مامون: یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ حضرت علیؑ ایسا فرمائیں کہ جس پر از روئے شرع کوئی حد نہیں اس پر میں حد شرع جاری کروں گا۔ اس طرح تو انہوں نے خود حدود الٰہی سے تجاوز اور حکم خدا کے خلاف ارشاد فرمایا اس لیے کہ ان دونوں سے کسی کو افضل سمجھنا کوئی گناہ نہیں ہے۔

اور پھر آپ حضرات نے خود حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے کہ جب وہ والی مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنے پہلے خطبے میں کہا: ''لوگو! مجھے تمہارا والی بنایا گیا ہے مگر میں تم سے بہتر نہیں ہوں''۔

اب آپ خود ہی بتائیں کہ ان دونوں میں سے سچا کون ہے۔ حضرت ابوبکر جو اپنے لیے خود ہی اعلان کر رہے ہیں یا حضرت علیؑ جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو فضیلت دے رہے ہیں۔

اور ان دونوں باتوں میں جو تناقض اور تضاد ہے وہ تو اپنی جگہ ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے اس قول میں سچے ہیں تو کس حد تک؟ اور اگر سچے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟

کیا انہیں وحی کے ذریعے معلوم ہوا؟

وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا۔ اب یہ کہ وہ خود اپنی ہی نظر میں ایسے تھے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے متعلق مشکوک تھے اور اگر وہ اپنے اسی قول میں سچے نہ تھے تو ایسا شخص جو مسلمانوں کا والی ہو اور جو احکام اسلام کے نفاذ کا ذمہ دار ہو اور جو مسلمانوں پر حدود اسلامی جاری کرنے والا ہو باوجود اس کے وہ کاذب ہو؟؟

یہ عجیب بات ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے قول میں سچے تھے اور وہ لوگوں سے کسی طرح اور کسی طور پر افضل نہیں تھے۔

ساتواں محدث: مگر حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر اور عمر جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں۔

مامون: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کبھی بھی نہیں فرما سکتے۔ اس لیے کہ جنت میں بڑھاپا نہیں ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک ضعیفہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے حصول جنت کے لیے دعا کی طالب ہوئی تو آپؐ نے فرمایا ''کوئی

بوڑھی خاتون جنت میں داخل نہیں ہوگی"۔

یہ سن کر وہ رونے لگی۔ آپؐ نے فرمایا، کیوں روتی ہو؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"بے شک ہم نے ان حوروں کو خلق کیا ہے، انہیں نت نئی بنایا ہے یہ باکرہ اور آپس میں ہم سن سہیلیاں ہوں گی"۔ [۱]

مقصد آیت یہ ہے کہ جنت میں بڑھاپا نہیں ہوگا۔ اب اگر آپ کہیں کہ حضرت ابوبکر وعمر بھی جوان بن کر جنت میں جائیں گے تو آپ کے یہاں یہ حدیث بھی موجود ہے کہ حسنؑ وحسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ خواہ وہ اولین میں سے ہو یا آخرین میں سے اور دونوں کے والدین ان سے افضل وبہتر ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ بھی خاموش ہوگیا۔

آٹھواں محدث: ان کے افضل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے لوگو! اگر مجھے تمہارے پاس نبی بنا کر نہ بھیجا جاتا تو عمر کو نبی بنا کر

تمہارے پاس بھیج جاتا۔

مامون: یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اے رسولؐ! ہم نے آپؐ کے پاس بھی اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی"۔ [۲]

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"اے رسولؐ! اس وقت کو یاد کریں جب ہم نے انبیاءؑ سے وعدہ لیا تھا اور آپؐ سے اور نوحؑ سے اور ابراہیمؑ سے اور موسیٰؑ سے اور عیسیٰ بن مریمؑ سے وعدہ لیا تھا"۔ [۳]

اب آپ خود ہی انصاف کر کے مجھے یہ بتائیں کہ کیا یہ جائز ہے کہ اللہ جس سے عہد و میثاق لے، اس کو تو نہ بھیجے اور جس سے کوئی عہد و میثاق نہ لیا گیا ہو اسے نبی بنا کر بھیج دے؟؟ یہ سن کر وہ بھی لاجواب ہوگیا۔

نواں محدث: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ فخر ومباہات کرتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ یوم عرفہ میں حضرت عمر کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بالعموم اور عمر پر بالخصوص فخر ومباہات کرتا ہے۔

مامون: یہ بھی ناممکن اور محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کر سکتا کہ حضرت عمر پر تو فخر کرے اور اپنے نبیؐ کو چھوڑ

---

[۱] الواقعہ ۳۵ تا ۳۷

[۲] النساء ۱۶۳

[۳] الاحزاب ۷

دے اور حضرت عمر کا شمار خاص بندوں میں ہو اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شمار عام بندوں میں ہو۔

اور آپ لوگوں کی روایات کو دیکھتے ہوئے اس روایت پر کوئی تعجب نہیں ہوتا اس لیے کہ آپ کے یہاں تو یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جب میں جنت میں داخل ہونے لگوں گا تو مجھے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دے گی اور میں دیکھوں گا کہ حضرت ابوبکر کے غلام بلال مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اسی بنا پر جب شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ، حضرت ابوبکر سے بہتر ہیں تو آپ جواب میں یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا غلام بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہے کیونکہ مسبوق صبوق سے افضل ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں آپ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ جب شیطان حضرت عمر کو آتا ہوا محسوس کرتا تھا تو بھاگ جاتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ آپ نے یہ روایت بھی تراشی ہوئی ہے کہ شیطان نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر لات ومنات کی تعریف جاری کرادی تھی اور سورۃ النجم کی تلاوت کے دوران آپؐ کے منہ سے ابلیس نے یہ کلمات جاری کرائے تھے "انھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجیٰ" اب ذرا انصاف سے تو مجھے بتائیں کہ شیطان حضرت عمر کو دیکھ کر تو بھاگ کھڑا ہوتا تھا مگر رسول اکرمؐ سے کلمۂ کفر تک کہلا دیا کرتا تھا؟؟

مامون کا جواب معقول تھا۔ وہ محدث بے چارہ جواب میں کیا کہتا۔ لہٰذا وہ بھی خاموش ہو گیا۔

دسواں محدث: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اگر عذاب نازل ہوتا تو میری امت میں سوائے حضرت عمر کے اور کوئی نہ بچتا۔ (بھلا اس سے بڑھ کر افضلیت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟)

مامون: مگر یہ روایت تو نص قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے رسولؐ! جب تک آپؐ ان کے درمیان میں موجود ہیں اس وقت تک اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ (الانفال ۳۳)

آپ لوگوں نے تو اس روایت کی بنا پر حضرت عمر حضرت رسول اکرمؐ کے مثل بنا دیا۔ (یہ جواب سن کر وہ محدث بھی خاموش ہو گیا)۔

گیارہواں محدث: اچھا! اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود گواہی دی ہے کہ حضرت عمر فاروق ان دس صحابہ میں سے ہیں جو جنتی ہیں اور جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے؟

مامون: اگر ایسا ہوتا جیسا کہ آپ لوگوں کا خیال ہے تو حضرت عمر بار بار حضرت حذیفہؓ سے یہ نہ کہتے کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کیا میں بھی منافقین میں سے ہوں؟

غور کیجیے! اگر رسول خدا ﷺ نے ان کے متعلق یہ فرمادیا تھا کہ تم جنتی ہو تو کیا ان کو رسول اکرمؐ کی بات کا یقین نہ تھا اور وہ حذیفہؓ سے اس کی تصدیق کیوں چاہتے تھے؟

اس کا دوسرا مقصد تو یہ بنتا ہے کہ وہ حضرت حذیفہؓ کو تو سچا جانتے تھے مگر رسول اکرمؐ کو نہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو اس سے تو ان کے اسلام کی نفی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آنحضرت ﷺ کو سچا جانتے تھے تو یہ بتائیں کہ انہوں نے حضرت حذیفہؓ سے بار بار کیوں دریافت کیا۔ بہر حال عشرہ مبشرہ والی روایت اور حذیفہ والی روایت یہ دونوں آپس میں متناقض اور متضاد ہیں۔

محدث کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

بارہواں محدث: نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔

میری ساری امت کو ترازو کے ایک پلے میں رکھا گیا اور دوسرے پلے میں مجھے رکھا گیا تو میرا پلہ بھاری رہا۔ پھر مجھے اتار کر ابوبکر کو رکھا گیا تو ان کا پلہ بھی بھاری رہا۔ پھر ان کو اتار کر ان کی جگہ عمر کو رکھا گیا تو ان کا پلہ بھی بھاری رہا۔ پھر اس کے بعد وہ ترازو ہی اٹھالی گئی۔

مامون: جناب یہ ناممکن ہے۔ اس لئے کہ یہ بات دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یہاں یا تو ان دونوں کے اجسام کا وزن مراد ہے یا ان کے اعمال وافعال کا وزن اگر دونوں کے اجسام کا وزن مراد ہے تو دنیا جانتی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ان کے اجسام اتنے وزنی ہوں کہ ساری امت کے اجسام سے بھاری ہو جائیں۔

اب رہ گیا اعمال وافعال کا وزن تو وہ کچھ دنوں کے بعد تو رہے نہیں اور ان کے اعمال کا سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ مگر بہت سے لوگ ان کے بعد زندہ رہے اور اعمال بجالاتے رہے۔ نیز بہت سے لوگ تو امت کے ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے پھر ان لوگوں کے اعمال سے توازن کے کیا معنی؟

اچھا! آپ حضرات یہ بتائیں کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت کس بنا پر حاصل ہوتی ہے؟

کسی نے کہا: اعمال صالحہ کی بنا پر۔

مامون نے کہا: پھر زیادہ سے زیادہ عہد نبوی تک ان کے اعمال کا پلہ بھاری ہو سکتا ہے مگر جن لوگوں کے اعمال کا پلہ ہلکا تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بعد بھی اعمال صالحہ انجام دیئے تو کیا ان کو بھی اس میں ملا دیا جائے گا؟

اگر کہیں کہ ہاں تو میں عصر حاضر کی مثالیں پیش کروں گا۔

ان میں ایسی ہستیاں بھی ہیں جنہوں نے ان دونوں سے زیادہ جہاد کئے۔ ان سے زیادہ حج کئے۔ ان سے زیادہ نمازیں پڑھیں اور ان سے زیادہ صدقات وزکوۃ دی۔

لوگوں نے کہا: امیر المومنینؑ آپ نے سچ کہا۔ ہمارے زمانے کے بعض افراد کے اعمال صالحہ عہد نبوی کے زمانے کے لوگوں سے زیادہ ہیں دونوں کا توازن نہیں ہوسکتا۔

مامون نے کہا: اچھا! ذرا آپ اپنے ان ائمہ کو دیکھیں جن سے آپ نے دین حاصل کیا کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے فضائل میں کتنی روایات نقل کی ہیں۔ اگر عشرہ مبشرہ میں سے سب کے فضائل مل کر بھی حضرت علیؑ کے فضائل کے برابر ہو جائیں تو ہمیں آپ حضرات کی بات تسلیم۔ اور اگر ان ائمہ نے عشرہ مبشرہ کے فضائل سے زیادہ حضرت علیؑ کے فضائل نقل کئے ہوں تو آپ حضرات میرے موقف کو تسلیم کر لیں۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔

مامون نے کہا: کیا بات ہے آپ حضرات خاموش کیوں ہو گئے؟

انہوں نے کہا: بس اس سلسلے میں ہمیں جو کچھ کہنا تھا ہم نے کہہ دیا مزید ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔

## مامون کے محدثین سے سوالات

سوال: پہلی بات تو یہ بتائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت کے وقت کون سا عمل سب سے افضل تھا؟

جواب: اسلام کی طرف سبقت کرنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے

اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہیں اور وہی مقرب ہیں۔ [1]

مامون: کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے پہلے بھی کسی نے اسلام میں سبقت کی تھی؟

جواب: نہیں۔ سب سے پہلے حضرت علیؑ ہی اسلام لائے مگر ابھی وہ نابالغ تھے اور نابالغ کا اسلام معتبر نہیں ہوتا۔ اور حضرت ابوبکر پختہ عمر میں اسلام لائے لہٰذا ان کا اسلام معتبر ہے۔

مامون: اس سلسلے کی وضاحت کرتے ہوئے آپ یہ بتائیں کہ حضرت علی علیہ السلام کیوں ایمان لائے؟ کیا آپ کو الہام ہوا تھا کہ آپؑ اسلام لائیں یا یہ کہ رسول کریمؐ نے انہیں دعوت دی تھی؟ اور اگر آپ لوگ یہ کہیں کہ انہیں بذریعۂ الہام حکم ملا تھا، تو پھر آپؑ رسول مقبولؐ سے بھی افضل ہوئے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الہام نہیں ہوا تھا بلکہ جبریل امینؑ آپؐ پر نازل ہوئے تھے اور انہوں نے آپ کو پیغام نبوت پہنچانے کا حکم دیا۔

اور اگر آپ حضرات یہ کہیں کہ حضرت علیؑ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کیا تھا تو پھر یہ بات دو حالتوں سے خالی نہ ہوگی۔

1۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم خدا سے دعوت دی ہوگی۔

---

[1] سورۂ واقعہ ۱۰۔۱۱

2۔ یا ازخود اپنی طرف سے دعوت دی ہوگی۔

اور یہ دوسری شق باطل ہے کیونکہ یہ آیت قرآن کے خلاف ہے۔

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ الفاظ موجود ہیں۔

''اور میں ازخود بناوٹ اور غلط بیان والا نہیں ہوں''۔ [1]

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''رسولؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے جب تک ان کے پاس اللہ کی طرف سے وحی نہ آجائے''۔ [2]

تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ بچوں میں سے علیؑ کو دعوت اسلام دیں۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلام اور حضرت علیؑ کا اسلام لانا دونوں لائق وثوق اور معتبر ہیں۔

اور یہاں پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدائے حکیم کے لیے یہ روا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو کسی ایسے کام کا حکم دے جو اس مخلوق کی طاقت اور بساط سے باہر ہو؟

اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو یہ کفر ہے اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ اللہ اپنے رسولؐ کو حکم دے کہ تم ایسے شخص کو دعوت اسلام دو جو اپنے بچپن اور کم سنی اور نابالغی کی وجہ سے دعوت اسلام قبول کرنے کے لائق ہی نہیں ہے۔

اور اس کے ساتھ میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ حضرات یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں میں سے کسی دوسرے بچے کو دعوت اسلام دی تھی اور اگر بالفرض آپؐ نے کسی اور بچے کو دعوت اسلام دی تھی تو کب اور کسے دی؟

اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے بچے کو دعوت اسلام نہیں دی تو یہ کائنات کے تمام بچوں پر حضرت علیؑ کی مخصوص فضیلت ہے۔

سوال: اچھا آپ حضرات یہ بتائیں کہ سبقت ایمانی کے بعد سب سے افضل اور برتر عمل کون سا ہے؟

جواب: علماء نے کہا کہ اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ افضل عمل ہے۔

سوال: پھر یہ بتائیں کہ آپ لوگوں نے عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کے لیے بھی جہاد کی اتنی روایات پیش کیں ہیں جتنی روایات حضرت علیؑ کے متعلق منقول ہیں؟

آپ صرف غزوہ بدر پر غور کرلیں کہ اس میں ساٹھ سے زیادہ کافر قتل ہوئے اور حضرت علیؑ نے ان میں سے بیس سے زیادہ کافروں کو تن تنہا قتل کیا۔ جبکہ باقی تین سو بارہ مجاہدین نے مل کر قریباً چالیس افراد کو قتل کیا۔

---

[1] ص۔ ۸۶

[2] النجم۔ ۳

یہ سن کر ایک محدث نے کہا: ایک محدث: مگر آپ یہ نہ بھولیں کہ حضرت ابوبکر آنحضرت ﷺ کے ساتھ عریش یعنی ایک چھپر میں موجود تھے اور وہ جہاد کا انتظام کر رہے تھے؟

مامون: آپ نے بلاشبہ ایک عجیب بات کہی ہے۔ اچھا یہ بتائیں کیا وہ نبی اکرمؐ کے انتظام کے علاوہ کوئی اور انتظام کر رہے تھے یا نبی اکرمؐ کے انتظام میں شریک تھے یا یہ کہ آنحضرت ﷺ اپنے انتظام میں حضرت ابوبکر کی رائے اور مشورے کے محتاج تھے؟

آپ حضرات ان تین باتوں میں سے ایک بات تسلیم کریں۔

دوسرا محدث: خدا نہ کرے اگر ہم یہ سمجھیں کہ ان کا انتظام آنحضرت ﷺ کے انتظام سے علیحدہ تھا یا وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ انتظام میں شریک تھے یا آنحضرت ﷺ کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی۔

مامون: پھر حضرت ابوبکر کو میدان جنگ چھوڑ کر عریش میں بیٹھنے سے کونسی فضیلت حاصل ہوگئی۔ اگر فضیلت کا یہی معیار مان لیا جائے تو جہاد نہ کرنے والے افراد مجاہدین سے افضل قرار پائیں گے۔ جب کہ اللہ کا فرمان ہے۔

''معذوروں کے سوا جہاد سے منہ چھپا کر بیٹھنے والے اور خدا کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرنے والے ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو گھر میں بیٹھنے والوں پر خدا نے درجے کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے۔ اگرچہ خدا نے تمام ایمان لانے والوں سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے مگر مجاہدین کو عظیم ثواب کے اعتبار سے خانہ نشینوں پر بڑی فضیلت دی ہے''۔ [1]

## سورۂ دہر کی تلاوت

اسحاق بن حماد بن زید کا بیان ہے کہ پھر مامون نے مجھ سے کہا، ذرا سورۂ دہر ھل اتٰی کی تلاوت کرو۔

میں نے تلاوت شروع کی اور یہ آیات پڑھیں۔

''یہ اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم صرف اللہ کی رضا کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں ورنہ نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ ہم اپنے پروردگار سے اس دن کے بارے میں ڈرتے ہیں جس دن چہرے بگڑ جائیں گے اور ان پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔ تو خدا نے انہیں اس دن کی سختی سے بچالیا اور انہیں تازگی اور سرور عطا کیا۔ اور انہیں ان کے صبر کے بدلے میں جنت اور حریر جنت عطا کیا۔ جہاں وہ تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے نہ آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سردی۔ ان کے سروں پر قریب ترین سایہ ہوگا اور جنت کے میوے ان کے اختیار میں کردیئے جائیں گے۔ ان کے گرد چاندی کے پیالے اور شیشے کے ساغروں کی گردش ہوگی۔ یہ ساغر بھی چاندی ہی کے ہونگے جنہیں یہ لوگ اپنے پیمانے

[1] سورۃ النساء، ۹۵

کے مطابق بنالیں گے۔ یہ وہاں ایسے پیالے سے سیراب کیے جائیں گے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ جو جنت کا ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ان کے گرد ہمیشہ نوجوان رہنے والے بچے گردش کر رہے ہوں گے کہ تم انہیں دیکھوں گے تو بکھرے ہوئے موتی معلوم ہوں گے۔اور پھر دوبارہ دیکھو گے تو پھر نعمتیں اور ملک کبیر دکھائی دے گا۔ان کے اوپر کریب کے سبز لباس اور ریشم کے حلے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔اور انہیں ان کا پروردگار پاکیزہ شراب سے سیراب کرے گا یہ سب تمہاری جزا ہے اور تمہاری سعی قابل قبول ہے''۔[1]

اور جب میں یہ آیات پڑھ چکا تو مامون نے مجھ سے کہا۔امون: یہ آیات کس کے متعلق نازل ہوئیں؟

اسحاق بن حماد: یہ آیات حضرت علی علیہ السلام کے متعلق نازل ہوئیں۔

مامون: اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس ایسی کوئی ایک روایت بھی موجود ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ جب مسکین، یتیم اور اسیر نے حضرت علیؑ کا شکریہ ادا کیا ہو تو انہوں نے سائل کو روک کر کہا ہو کہ ہمیں تمہارے شکریے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو رضائے خدا کے لیے تمہیں کھانا کھلا رہے ہیں؟

اسحاق بن حماد: نہیں ہمارے پاس ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

مامون: اس کا مقصد تو پھر یہ ہوا کہ حضرت علیؑ نے اپنی زبان سے یہ لفظ ادا نہیں کئے۔اللہ نے ان کے دلی بھید اور نیت کی ترجمانی ان الفاظ سے کی ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے قرآن مجید میں طرح طرح کی نعمتوں کا اعلان کیا ہے لیکن کیا ان آیات کے علاوہ جو کہ شان اہل بیتؑ میں نازل ہوئیں ہیں۔کسی دوسری جگہ عام مومنین کے لئے یہ کہا ہو "قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ" یعنی ان کے لئے شفاف چاندی کے ساغر ہوں گے؟

اسحاق بن حماد: نہیں، یہ الفاظ صرف اہل بیتؑ کے متعلق ہی ہیں۔

مامون: تو یہ علیؑ کی ایک اور مخصوص فضیلت ہے جس میں ان کے اہل خانہ کے علاوہ کوئی شریک نہیں ہے۔اور کیا آپ حضرات جانتے ہیں کہ شفاف چاندی کے ساغر کیسے ہوں گے؟

محدثین: ہمیں معلوم نہیں ہے۔

مامون: ان کے ساغر ایسی شفاف چاندی سے بنے ہوں گے کہ شیشہ کے جام کی طرح سے ان کے اندر کا مشروب باہر سے دکھائی دے گا۔علاوہ ازیں لغت عرب میں خوبصورت خواتین کو بھی لفظ ''قواریر'' آبگینوں، سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور کلام عرب کا یہ بھی ایک اسلوب ہے کہ کسی ایک ''علاقہ'' کی وجہ سے اسے مجازاً دوسرے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔جیسا کہ

---

[1] دہر۔۸۔۲۲

ایک بار حضرت رسول مقبولؐ ابوطلحہ انصاری کے گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپؐ نے فرمایا "انی لو جدته بحرا"۔ میں نے تو اسے سمندر پایا ہے۔ آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ وہ گھوڑا اپنی تیز رفتاری میں سمندر کی موج کی مانند ہے۔

اور اسی طرح سے مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ نے لفظ سے موت سے تعبیر کیا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

"اور اسے ہر طرف سے موت گھیرے ہوئے ہوگی لیکن وہ مرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے پیچھے بہت سخت عذاب لگا ہوا ہوگا"۔[1]

مقصد آیت یہ ہے کہ اس پر اتنی مصیبتیں آئیں گی کہ ان میں سے ایک مصیبت ہی موت کے لیے کافی ہوگی۔

مامون: کیا آپ ان لوگوں میں نہیں ہو جو دس مخصوص افراد کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہو اور ان دس افراد کو آپ اپنی اصلاح میں عشرہ مبشرہ کہتے ہو؟

اسحاق: جی ہاں۔ ہمارا یہ نظریہ ہے۔

مامون: اچھا یہ بتاؤ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ عشرہ مبشرہ کی حدیث صحیح ہے یا باطل ہے۔ تو کیا یہ کہنے والا شخص تمہاری نظر میں کافر ہو جائے گا؟

اسحاق: ہرگز نہیں، وہ کافر نہیں ہوگا۔

مامون: اب آپ سمجھیں کہ علیؑ اور اس کے اغیار میں کتنا فرق ہے۔ اگر کوئی شخص عشرہ مبشرہ کی روایت کا انکار کرے تو وہ مسلمان ہی رہتا ہے اور اگر کوئی شخص سورۂ دہر کا انکار کرے جو حضرت علیؑ کی فضیلت میں نازل ہوا ہے تو وہ کافر بن جاتا ہے اور اسی طرح سے حضرت علیؑ کی فضیلت اور زیادہ مستحکم اور مؤکد ہو جاتی ہے۔

## حدیث طیر

(حدیث طیر یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو آپؐ نے دعا مانگی کہ خدایا! تیری مخلوق میں سے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، اسے یہاں بھیج تا کہ وہ میرے ساتھ آ کر اس پرندے کو کھا سکے۔ دعا ختم نہ ہوئی کہ حضرت علیؑ تشریف لائے)۔

مامون: اسحاق! بھلا یہ بتاؤ حدیث طیر کو صحیح مانتے ہو؟

اسحاق: جی ہاں! یہ صحیح ہے۔

مامون: خدا کی قسم! پھر تو حضرت علیؑ سے آپ کا بغض و عناد ظاہر ہو گیا اس لیے کہ یا تو علیؑ ان صفات کے حامل تھے جن کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی تھی یا پھر وہ (عیاذاً باللہ) ان صفات سے خالی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ

---

[1] ابراہیم۔ ۱۷

مخلوقات میں سب سے زیادہ افضل کون ہے مگر اس کے باوجود اللہ نے افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کو اپنا محبوب بنا کر یا پھر شاید آپ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ (عیاذ باللہ) خود خدا کو بھی معلوم نہ تھا کہ افضل کون ہے اور مفضول کون ہے اور اس لیے اس نے غیر افضل کو اپنا محبوب بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیا؟

یعنی حدیث طیر کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود حضرت علیؑ کی افضلیت کا انکار کرنا بغض علیؑ کا ثبوت ہے۔

راوی کہتا ہے کہ اسحاق کا بیان ہے یہ سن کر میں تھوڑی دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

## آیت غار

اسحاق: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کے متعلق ارشاد فرمایا:

''دو آدمیوں میں سے دوسرے نے جب کہ وہ دونوں غار میں تھے اپنے ساتھی سے کہا، حزن و ملال نہ کرو۔ اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے''۔ [1] اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو محمدؐ کا صاحب قرار دیا ہے جو بہت بڑی فضیلت ہے۔

مامون: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس لغت اور کلام خدا کا علم بہت ہی کم ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ایک کافر بھی مومن کا صاحب (ساتھی) کہلا سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

''اس کا صاحب (ساتھی) جو اس سے باتیں کر رہا تھا، کہنے لگا کہ کیا تم اس پروردگار کے منکر ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے، پھر تمہیں ٹھیک ٹھاک مرد بنا دیا''۔ [2]

اس آیت مجیدہ میں ایک کافر کو ایک مومن کا صاحب بیان کیا گیا ہے۔

آپ نے ہذلی کا شعر سنا ہوگا

اور رازی نے کہا تھا

ان اشعار میں شعراء نے اپنے گھوڑے اور گدھے تک کو بھی اپنا صاحب کہا ہے۔ لہٰذا لفظ صاحب سے آپ حضرت ابوبکر کی کوئی فضیلت ثابت نہیں کر سکتے۔

علاوہ ازیں "اِنَّ اللهَ مَعَنَا" بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، کے لفظوں سے بھی ان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو۔ کیا آپ نے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا۔

''جب تین آدمیوں کا خفیہ مشورہ ہوتا ہے تو وہ (اللہ) ان کا چوتھا ہوتا ہے اور جب پانچ آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے تو

---

[1] توبہ ۴۰

[2] کہف ۳۷

وہ (اللہ) ان کا چھٹا ہوتا ہے اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور چاہے کہیں بھی ہوں وہ (اللہ) ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے"۔ [1]

اور پھر اس آیت میں لَا تَحْزَنْ کا لفظ موجود ہے یعنی حبیب خدا نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ "حزن وغم نہ کرو"۔

تو آپ یہ بتائیں کہ حضرت ابوبکر کے اس موقعے پر حزن کو کیا سمجھا جائے؟ یعنی آپ کو اس بات کی وضاحت کرنا ہو گی کہ حضرت ابوبکر کا حزن اطاعت خدا پر مبنی تھا یا خدا کی نافرمانی پر؟؟

اب اگر آپ یہ کہیں کہ ان کا حزن اطاعت خدا پر مبنی تھا تو پھر میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ اگر ان کا حزن اطاعت خدا پر مبنی تھا تو آنحضرت ﷺ نے اسے حزن وملال کرنے سے منع کیوں فرمایا؟

اور اگر معصیت و نافرمانی پر مبنی تھا تو پھر ایک معصیت کار کی فضیلت ہی کیا ہے۔ اور معصیت وطاعت کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ معیار ہر وقت مدنظر رکھیں۔

"رسول نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے"۔ [2]

لہٰذا جس چیز سے رسول کریمؐ روک دیں وہ نیکی نہیں ہو سکتی۔

اچھا! آگے بڑھیں اسی سورۂ آیت ۴۰ میں یہ فقرہ بھی ہے فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ کہ اللہ تعالی نے اس پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ تو آپ حضرات یہ بتائیں کہ خدا کی طرف سے تسکین کس پر نازل کی گئی؟؟

اسحاق: خدا کی طرف سے تسکین حضرت ابوبکر پر نازل کی گئی کیونکہ آنحضرت ﷺ تو تسکین سے مستغنی تھے ان کو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

مامون: اگر ایسا ہے تو پھر اس آیت کے متعلق آپ کیا کہیں گے۔

"اور جنگ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت نے مغرور کر دیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ تب اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی"۔ [3]

اور اگر نبی اکرمؐ تسکین سے مستغنی تھے تو اللہ تعالی نے حنین میں ان پر تسکین نازل کیوں فرمائی۔

اور اس کے علاوہ آپ کو یہ علم بھی ہے کہ جنگ حنین میں وہ مومن کون تھے جن پر اللہ نے تسکین نازل فرمائی؟

اسحاق: مجھے معلوم نہیں ہے۔

مامون: تو مجھ سے سنو! مسلمانوں کو جنگ حنین میں شکست ہوئی اور سب فرار کر گئے اور اس دار و گیر کے مرحلے پر

---

[1] المجادلہ۔ ۷
[2] الاعراف ۱۵۷
[3] توبہ ۲۶،۲۵

بنی ہاشم میں سے صرف سات آدمی آپؐ کے ساتھ رہ گئے۔ ایک حضرت علیؑ جو تلوار چلا رہے تھے۔ دوسرے حضرت عباسؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے کی عنان تھامے ہوئے تھے کہ کہیں کافر آپؐ کو گزند نہ پہنچائیں

اور اس کے علاوہ دیگر پانچ آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو فتح و کامرانی سے نوازا اور اپنے رسولؐ اور بنی ہاشم کے دیگر سات افراد پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔

اب آپ فیصلہ کر کے مجھے بتائیں کہ افضل وہ ہیں جو جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور ان پر تسکین نازل ہوئی یا وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار میں رہا اور پھر بھی تسکین سے محروم رہا؟؟

## بستر رسولؐ پر شب بسری

اے اسحاق! آپ ہی انصاف سے کہیں کہ افضل کون ہے؟

آیا وہ افضل ہے جو پیغمبرؐ کے ساتھ غار میں رہا یا وہ افضل ہے جس نے پیغمبر اکرمؐ کے بستر پر سو کر اپنی جان کی بازی لگائی اور پیغمبر اکرمؐ کو بچا لیا۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے اپنے ارادۂ ہجرت کو عملی جامہ پہنایا۔ اور اس موقعے پر اللہ نے اپنے حبیبؐ کو حکم دیا کہ آپ علیؑ سے کہہ دیں کہ وہ آپؐ کے بستر پر آپؐ کو خطرے سے بچانے کے لیے سو جائیں۔

جب نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا تو انہوں نے یہ کہا تھا۔

یارسول اللہؐ! کیا میرے سونے سے آپؐ کی جان بچ جائے گی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ جی ہاں!

یہ سن کر حضرت علی نے کہا تھا:۔ میں دل و جان سے آپؐ کے بستر پر سو جاؤں گا۔

یہ کہہ کر حضرت علیؑ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوابگاہ میں پہنچے اور آپؐ کی چادر اوڑھ کر سو رہے۔ اور ادھر مشرکین تاریکی شب میں آئے اور چاروں طرف سے آپ کا محاصرہ کر لیا اور ان کو یقین تھا کہ بستر پر پیغمبرؐ سو رہے ہیں اور ان لوگوں نے متفقہ طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ قریش کے خاندان کا ہر فرد ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تلوار چلائے تا کہ ان کا خون تمام قریش میں تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم سارے خاندانِ قریش سے ان کے خون کا بدلہ نہ لے سکیں۔

حضرت علیؑ نے خون کے پیاسوں کی آہٹ سنی اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اس وقت سخت خطرے میں ہیں مگر اس کے باوجود وہ بستر مرگ کو پھولوں کا بستر سمجھ کر سوتے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کی حفاظت کے لیے فرشتوں کو بھیجا۔

جب صبح ہوئی اور حضرت علیؑ بستر سے اٹھے اور مشرکین نے انہیں دیکھا تو حیران ہو کر پوچھنے لگے۔

محمدؐ کہاں ہیں؟

حضرت علیؑ نے جواب دیا: کیا تم میرے حوالے کر گئے تھے کہ مطالبہ کرنے آئے ہو؟

انہوں نے کہا: آپ نے رات بھر ہمیں دھوکے میں رکھا۔

اس کے بعد حضرت علیؑ آنحضرت ﷺ کی امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ چونکہ حضرت علیؑ نے شروع سے ہی ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ ہی سے افضل رہے۔ اور پھر اس کے بعد ان کے کارناموں میں مزید اضافہ ہوتا گیا اور وہ افضل ترین ہو گئے اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ محمود و مغفور تھے۔

## حدیث ولایت

مامون: اسحاق! کیا آپ حدیث ولایت روایت نہیں کرتے؟

اسحاق: جی ہاں! کرتا ہوں۔

مامون: اچھا تو بیان کرو۔

اسحاق: سنئے! رسول خدا ﷺ نے فرمایا: یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔

مامون: تو کیا رسول خدا ﷺ حضرات شیخین کے مولا تھے یا نہیں اور آپؐ ان پر حق ولایت رکھتے تھے یا نہیں؟

اگر آنحضرت ﷺ ان دونوں کے مولا تھے اور ان پر حق ولایت بھی رکھتے ہیں تو اس حدیث کے تحت حضرت علیؑ بھی ان دونوں پر حق ولایت رکھتے تھے جب کہ وہ دونوں علیؑ پر کوئی حق نہیں رکھتے تھے۔

اسحاق: مگر لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو بات حضرت علیؑ کے لیے کہی تھی وہ زید بن حارثہ کی وجہ سے کہی تھی؟

مامون: اچھا یہ بتائیں آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث کس مقام پر بیان فرمائی؟

اسحاق: غدیر خم پر حجۃ الوداع سے واپسی پر۔

مامون: اور زید بن حارثہ کب شہید ہوئے تھے؟

اسحاق: وہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔

مامون: تو کیا زید بن حارثہ غدیر خم سے پہلے شہید نہ ہو چکے تھے؟

اسحاق: جی ہاں، ایسا ہی ہے۔

مامون: پھر آپ پر افسوس ہے جب وہ اس موقعے پر زندہ ہی نہ تھے تو رسول خدا ﷺ نے ان کی وجہ سے مذکورہ حدیث کیوں بیان کی۔ اور آپ لوگوں نے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے علماء و فقہا کو اپنا رب مان لیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے۔

''ان یہود و نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو اپنا رب بنا رکھا ہے''۔ [1]

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے عالموں اور راہبوں کی عبادت نہیں کرتے تھے اور وہ ان کے لیے روزے نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ان کے لیے نماز پڑھتے تھے۔ بلکہ وہ جو حکم دیتے تھے یہ لوگ ان کی اطاعت کیا کرتے تھے یہی حال آج آپ لوگوں کا ہے جو کچھ آپ کے مشائخ نے آپ سے کہا آپ نے آنکھیں بند کر کے اسے مان لیا ہے اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ ان کی بات صحیح ہے یا غلط ہے؟

## حدیث منزلت

مامون: اچھا یہ بتاؤ کیا آپ اس حدیث کی بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا۔

''علیؑ! تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی''۔

اسحاق: جی ہاں! میں یہ حدیث بھی روایت کرتا ہوں۔

مامون: تو کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی اور ایک باپ اور ماں سے تھے؟

اسحاق: جی ہاں! دونوں حقیقی بھائی تھے۔

مامون: تو علیؑ بھی رسول خدا ﷺ کے سگے بھائی تھے؟

اسحاق: نہیں! وہ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔

مامون: مگر ہارونؑ نبی تھے جب کہ حضرت علیؑ نبی نہیں تھے تو پھر نہ یہ منزلت اور نہ وہ منزلت، تو اب تیسری منزلت سوائے خلافت کے اور کیا باقی رہ جاتی ہے؟

اور منافقین بھی اس حدیث سے انکار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ، علیؑ کو ایک بوجھ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے پھر ان کی دلجوئی کے لئے یہ کہہ دیا اور یہ حدیث اس آیت قرآنی کے مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے فرمایا ''اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ آپ میری قوم میں میری جانشینی کریں اور ان کی اصلاح کرتے رہیں اور خبردار مفسدین کے راستے کی پیروی نہ کرنا''۔ [2]

اسحاق: جی ہاں! حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو اپنی قوم میں اپنا جانشین اپنی زندگی میں مقرر کیا تھا پھر وہ انہیں جانشین مقرر کر کے تورات لینے کے لیے طور سینا پر تشریف لے گئے اور جب طور سینا سے واپس آئے تو ہارونؑ کی خلافت ختم

---

[1] توبہ، ۳۱

[2] الاعراف، ۱۴۲

ہوگئی۔اسی طرح سے جب آنحضرت ﷺ تبوک جانے لگےتو آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنایا تھا اور جب آپ تبوک سے واپس آ گئے تو حضرت علیؑ کی خلافت بھی ختم ہوگئی۔

مامون: اچھا یہ بتاؤ کہ جب موسیٰ علیہ السلام طور سینا پر جا رہے تھے اور انہوں نے اپنے بھائی ہارونؑ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا تو کیا حضرت موسیٰؑ کے کچھ صحابی بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے؟

اسحاق: نہیں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کوئی بھی صحابی نہیں تھا وہ طور سینا پر اکیلے تشریف لے گئے تھے اور ان کی ساری امت اور سارے اصحاب ہارونؑ کے پاس تھے

مامون: اور یہ بتائیں جب تبوک کے موقعے پر رسول خدا ﷺ نے حضرت علیؑ کو مثیل ہارونؑ بنا کر مدینہ ٹھہرایا تو اس وقت صحابہ کی اکثریت رسول خدا ﷺ کے ساتھ تھی یا علیؑ کے پاس مدینہ میں ٹھہری ہوئی تھی؟

اسحاق: صحابہ کی اکثریت رسول خدا ﷺ کے ساتھ روانہ ہوگئی تھی۔ مدینہ میں تو صرف عورتیں، بوڑھے اور بچے ہی تھے۔

مامون: بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ علیؑ مثیل ہارونؑ ہوں اور ہارون تو پوری امت اور صحابہ پر خلیفہ ہو اور علیؑ صرف بوڑھے مردوں اور عورتوں اور بچوں پر خلیفہ ہو؟

اصل بات یہ ہے کہ علیؑ مثیل ہارونؑ اس وقت ہی قرار پائیں گے جب وہ ہارونؑ کی طرح سے تمام اصحاب اور امت کے خلیفہ مانے جائیں گے۔ اور ان کی خلافت کو صرف تبوک کے لیے محدود نہ کیا جائے گا۔ اور علیؑ کی خلافت کی دلیل اسی حدیث منزلت میں ہی موجود ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”علیؑ کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا“۔

مقصد یہ ہے کہ انہیں نبوت حاصل نہ ہوگی انہیں صرف خلافت حاصل ہوگی اور حدیث منزلت سے حضرت علیؑ آنحضرت ﷺ کے وزیر ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی۔

”پروردگار! میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر قرار دے۔[1]

اسی سے میری پشت کو مضبوط بنادے اور اس کو میرے کاموں میں میرا شریک بنا“۔

اور جب حضرت علیؑ، حضرت رسولؐ کے لیے بمنزلۂ ہارونؑ کے ہیں تو پھر حضرت علیؑ بھی رسول خدا ﷺ کے اسی طرح وزیر ہوں گے جس طرح سے ہارونؑ، موسیٰؑ کے وزیر تھے اور پھر حضرت علیؑ بھی اسی طرح سے خلیفہ ہوں گے جس طرح سے ہارون علیہ السلام خلیفہ تھے۔

---

[1] طٰہٰ ۲۹ تا ۳۲

# متکلمین سے گفتگو

اس کے بعد مامون الرشید مناظرین و متکلمین کے گروہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ بتائیں! میں آپ سے کچھ پوچھوں یا آپ مجھ سے کچھ پوچھیں گے؟

ان لوگوں نے کہا: ہم آپ سے پوچھیں گے۔

مامون نے کہا: پوچھئے۔

پہلا متکلم: یہ بتائیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت و امامت بھی خدا کی طرف سے اسی طرح واجب ہے جس طرح ظہر کی چار رکعت نماز یا دوسو درہم پر پانچ درہم زکوۃ یا مکہ میں خانۂ کعبہ کا حج؟

مامون: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔

متکلم: آخر یہ تمام فرائض بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں اور حضرت علیؑ کی امامت بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کردہ ہے۔ تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ان تمام فرائض میں تو کوئی اختلاف نہیں اور اگر امت نے اختلاف کیا تو صرف حضرت علیؑ کی امامت میں؟

مامون: خلافت اقتدار اور حکومت کا نام ہے جب کہ نماز روزہ میں اقتدار و حکومت والی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اسی لیے لوگوں نے حصول اقتدار کے لیے علیؑ سے اختلاف کیا ہے تا کہ ان کے دنیاوی مفادات کی تکمیل ہوتی رہے۔

دوسرا متکلم: آپ کو اس سے آخر کیوں انکار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اپنی امت پر انتہائی مہربان اور شفیق تھے۔ اس لیے آپؐ نے سوچا کہ اگر میں نے اپنا خلیفہ و جانشین نامزد کر دیا اور اگر امت نے اس کی نافرمانی کی تو امت پر عذاب آجائے گا۔ اسی لیے آپؐ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا اور آپؐ نے امت کو ہی حکم دے دیا کہ تم جس کو چاہو میرا خلیفہ اور جانشین منتخب کر لو تا کہ نافرمانی سے بچو۔

مامون: اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از راہ شفقت کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا کہ کہیں امت پر عذاب نہ آجائے تو اس صورت میں آپ کو چاہیے کہ انبیاء کی بعثت کا ہی انکار کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مہربان ہے۔ پھر اللہ نے اپنی مخلوق کے پاس انبیاء و رسل بھیجے جب کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم بھی تھا کہ لوگ میرے انبیاء کی نافرمانی کریں گے۔ اور نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب آئے گا۔

اللہ کو تجربہ بھی ہو گیا مگر اس کے باوجود اس نے انبیاء و رسل بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس سے باز نہ آیا۔

علاوہ ازیں دوسری بات یہ ہے اگر آپؐ نے امت کو خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار دے دیا تو پھر سوال یہ ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق پوری امت کے تمام افراد کو حاصل ہے یا چند مخصوص افراد کو حاصل ہے؟

اور اگر یہ حق تمام افرادِ امت کو حاصل ہے تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ کون سا خلیفہ ہے جسے تمام امت کے افراد نے منتخب کیا ہو۔

اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند افرادِ امت کو انتخاب خلیفہ کا حق تفویض کیا ہے تو آخر ان کی کس خصوصیت کی بنا پر انہیں یہ حق دیا گیا ہے؟

اگر یہ حق صرف امت کے فقہاء کو حاصل ہے تو ان کی بھی تحدید اور پہچان کی ضرورت تھی تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سے فقیہ ہیں جنہیں خلیفہ منتخب کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر حاصل ہے تو آخر کیوں؟

تیسرا متکلم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ تمام مسلمان جس بات کو اچھی سمجھیں اور پسند کریں وہ بات اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور پسندیدہ ہے اور جس بات کو تمام مسلمان ناپسند اور برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ناپسندیدہ اور بری ہے۔

مامون: یہ امر بھی بذاتِ خود وضاحت طلب ہے کہ اس سے مومنین کے تمام افراد مراد ہیں یا ان میں سے بعض افراد مراد ہیں اور اگر اس سے مومنین کے تمام افراد مراد ہیں تو یہ امر محال ہے کیونکہ تمام کا ایک امر پر مجتمع ہونا محال اور ناممکن ہے۔

اور اگر اس سے بعض مومن مراد ہیں تو یہ اور زیادہ مشکل ہے اس لئے کہ بعض مومن ایک فرد کو پسند کریں گے اور بعض دوسرے کو۔ مثلاً شیعہ ایک فرد کو پسند کرتے ہیں اور حشویہ دوسرے فرد کو تو اس طرح سے خلافت جو مقصود ہے وہ کہاں ثابت ہو سکتی ہے؟

چوتھا متکلم: اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اصحاب محمدؐ سے خطا ہوئی اور کیا یہ نظریہ درست ہو سکتا ہے؟

مامون: ہم ایسا کیوں سمجھیں کہ اصحاب محمدؐ نے خطا کی جب کہ وہ خلافت کو نہ فرض سمجھتے تھے اور نہ سنت۔ اور آج تک آپ بھی تو یہی خیال ہے کہ امامت و خلافت نہ تو اللہ کی طرف سے فرض ہے اور نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ تو وہ چیز جو آپ نزدیک نہ فرض ہے اور نہ سنت، تو اس کے لیے خطا کا کیا سوال ہے؟

پانچواں متکلم: اچھا اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہی حقدارِ خلافت ہیں اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا مستحق خلافت نہیں ہے تو آپ اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کریں۔

مامون: یہ دعویٰ میرا تو نہیں، میں تو اقرار کرنے والا ہوں اور اقرار کرنے والے پر بارِ ثبوت نہیں ہوتا۔ دعویٰ تو ان کا ہے لہٰذا بارِ ثبوت ان پر ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں خلیفہ مقرر کرنے اور معزول کرنے کا اختیار ہے۔ مگر یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ گواہی اور ثبوت میں کس کو پیش کیا جائے؟

کیا ان کو اس سلسلہ میں پیش کیا جائے جن کا خود اس میں ہاتھ ہے؟

وہ تو خود اس میں فریق اور مدعا علیہ ہیں۔ ان کی گواہی کے کیا معنی ہیں؟
یا پھر غیروں کو پیش کیا جائے تو غیر وہاں کوئی تھا ہی نہیں، لہٰذا گواہی اور ثبوت اگر کوئی پیش بھی کرے تو کیسے اور کس طرح؟؟
چھٹا متکلم: اچھا یہ بتائیں کہ بعد وفات رسولؐ حضرت علیؑ کا کیا فریضہ تھا؟
مامون: آپ بتائیں کیا فریضہ تھا؟
متکلم: کیا حضرت علیؑ پر یہ واجب نہ تھا کہ لوگوں کو بتاتے کہ میں خلیفہ و امام ہوں؟
مامون: حضرت علیؑ خود تو امام نہیں بنے تھے کہ سب کو بتلاتے پھرتے کہ لو میں امام بن گیا ہوں اور نہ تو وہ لوگوں کے انتخاب سے امام بنے تھے۔
انہیں اللہ نے امام بنایا تھا اور امام بنانا اللہ کا کام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ارشاد ہے۔
''میں آپ کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں''۔[1]
اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے فرمان خداوندی ہے۔
''اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ مقرر کیا''۔[2]
اور حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔
''میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''۔[3]
ان تین آیات مجیدہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابتدائے خلقت سے ہی اللہ کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے نسب میں شریف و نجیب ہوتا ہے۔ وہ پیدائشی طاہر ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معصوم بنایا جاتا ہے۔
اگر امام بن جانا حضرت علیؑ کا ذاتی فعل ہوتا یعنی وہ اپنے کسی فعل کی وجہ سے مستحق امامت بنے ہوتے اور اگر اس کے خلاف عمل کرتے تو معزول ہو جاتے، تب کہا جا سکتا تھا کہ امامت ان کا ذاتی فعل ہے۔ مگر جب ان کا یہ فعل ہی نہیں ہے تو پھر ان پر اس طرح کا کوئی فرض بھی عائد نہیں ہوتا۔
ساتواں متکلم: یہ کیا ضروری ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ ہی امام ہوں؟
مامون: یہ اس لیے ضروری ہے کہ حضرت علیؑ بچپن ہی سے صاحب ایمان تھے بالکل اسی طرح سے جیسے نبی

---

[1] بقرہ، ۱۲۴
[2] سورہ ص، ۲۶
[3] البقرہ، ۳۰

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن ہی سے صاحب ایمان تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کی ضلالت وگمراہی سے کنارہ کش رہے تھے اور کفروشرک وبدعات سے اجتناب کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح حضرت علیؑ نے پوری زندگی میں ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا کیونکہ قرآن مجید ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ اسی لیے شرک کرنے والا ظالم ہے اور قرآن مجید میں اللہ نے اپنا ابدی فیصلہ سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میرا عہدہ امامت ظالموں کو نہیں پہنچے گا''۔ [1]

جس نے زندگی بھر میں ایک دفعہ شرک کیا ہو وہ امامت کے لائق نہیں رہتا اور پیغمبر اکرمؐ کے بعد جو لوگ مسند خلافت پر بیٹھے، ان میں سے واحد شخصیت علیؑ ہیں جن کا چہرہ بتوں کے سامنے نہیں جھکا تھا۔ اسی لیے رسول مقبولؐ کے بعد علیؑ کا امام ہونا ضروری ہے۔

آٹھواں متکلم: اچھا یہ بتائیے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان سے جنگ کیوں نہیں کی۔ جس طرح انہوں نے معاویہ سے جنگ کی تھی؟

مامون: آپ کا یہ سوال ہی غلط ہے۔ کسی کام کے کرنے کا کوئی سبب ہوتا ہے، نہ کرنے کا کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ حضرت علیؑ کے معاملے میں لازماً یہ دیکھنا پڑے گا کہ آپ اللہ کے بنائے ہوئے امام تھے یا کسی دوسرے کے بنائے ہوئے۔ اگر آپ اللہ کے بنائے ہوئے امام تھے تو پھر جو کچھ آپ نے کیا اس میں کسی طرح کی چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے اگر کوئی اعتراض کرے گا تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

''پس آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن بن ہی نہیں سکتے جب تک یہ لوگ آپس کے اختلافات میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپؐ اس کا فیصلہ کر دیں تو آپ کے فیصلے کے خلاف دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے فیصلے کو اس طرح سے تسلیم کریں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے''۔ [2]

ہر فاعل کا فعل اس کے اصل کے تابع ہوتا ہے۔ اگر اللہ نے ان کو امام بنایا ہے تو پھر ان کے ہر کام کو بھی اللہ کی طرف سے سمجھنا چاہیے اور لوگوں کا فرض ہے کہ ان کے کام پر راضی رہیں اور اسے تسلیم کریں۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ مشرکین مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج کرنے سے روک دیا تھا۔ آپؐ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا اور ان سے جنگ نہ کی اور جب آپؐ کی قوت وطاقت میں اضافہ ہوا تو آپؐ نے جنگ سے گریز بھی نہیں کیا۔ حدیبیہ کے موقعے پر اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا۔

---

[1] البقرہ، ۱۲۴
[2] النساء، ۶۵

مقصد آیت یہ ہے کہ آپ اچھے طریقے سے گزر کرتے ہوئے جنگ کو ٹال دیں۔ اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری طاقت بڑھ گئی تو اللہ نے حکم دیا۔[1]

''تم لوگ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں پکڑو ان کا محاصرہ کرو اور ان کے لیے گھات لگا کر بیٹھو''۔ (توبہ، ۵)

نواں متکلم: جب آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو عہدۂ امامت پر فائز کیا تو ان کا فرض تھا کہ جس طرح سے انبیاءؑ نے عہدۂ نبوت پر فائز ہونے کے بعد لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی تو حضرت علیؑ بھی لوگوں کو اپنی امامت کی دعوت دیتے۔ حضرت علیؑ کے لیے یہ کیسے جائز تھا کہ وہ خدائی عہدے پر مامور ہونے کے باوجود خاموشی اختیار کیے رہیں اور کسی کو اپنی طرف دعوت نہ دیں۔

مامون: میں اس سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کو تبلیغ اور پیغام رسانی کا حکم تھا۔ اس لیے کہ آپ رسول نہیں تھے بلکہ آپ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک علَم اور نشان بنائے گئے تھے۔ لہٰذا جو آپؑ کی پیروی کرے گا اطاعت گزار اور جو نافرمانی کرے گا وہ گناہ گار کہلائے گا اور جب آپ کو اعوان و انصار ملے تو آپؑ نے مخالفین سے جہاد کیا اور جب تک آپؑ کو اعوان و انصار میسر نہیں تھے اس وقت تک آپؑ خاموش رہے اور جہاد نہ کرنے کا الزام آپؑ پر نہیں ہے بلکہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے آپؑ کی اطاعت اور مدد سے منہ موڑا۔ کیونکہ تمام امت کو رسول مقبولؐ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ وہ علیؑ کی مدد کریں اور اس کی پیروی کریں اور حضرت علیؑ کو یہ حکم نہیں تھا کہ وہ بغیر اعوان و انصار کی قوت کے جہاد کریں۔

یاد رکھیں! حضرت علیؑ کی مثال خانۂ کعبہ جیسی ہے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کے پاس جائیں۔ خانۂ کعبہ پر فرض نہیں کہ وہ لوگوں کے پاس جائے اگر کوئی شخص خانۂ کعبہ تک پہنچ کر مناسک حج ادا کرتا ہے تو وہ اپنا فرض پورا کرتا ہے۔ اور اگر کوئی نہیں جاتا تو وہ خود قابل ملامت بنتا ہے۔ خانۂ کعبہ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

دسواں متکلم: یہ بتائیے کہ اگر امام واقعی مفترض الطاعۃ ہوتا ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت علیؑ ہی مفترض الطاعۃ امام ہوں کوئی دوسرا کیوں نہیں ہوسکتا؟

مامون: اللہ کی طرف سے کوئی ایسا فریضہ عائد نہیں کیا جاسکتا جو مجہول ہو اور لوگ اس سے ناواقف اور لاعلم ہوں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ جب اللہ نے ایک فریضہ عائد کیا ہے تو اس کا وجود بھی یقینی ہوگا اور وہ ممتنع العمل نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ مجہول ممتنع العمل ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ رسول مقبولؐ اس فرض کی نشاندہی کر دیں تا کہ اللہ اور اس کے بندوں کے

---

[1] الحجر، ۸۵)

درمیان کوئی عذر باقی نہ رہے۔

آپ کی اس میں کیا رائے ہے کہ اگر اللہ ایک ماہ کے روزے فرض کر دیتا اور مہینے مقرر نہ کرتا اور اس کے ساتھ یہ واجب کر دیتا کہ لوگ نبی وامام کی طرف رجوع کیے بغیر خود ہی اس مہینہ کا تعین کریں تو کیا یہ طرز عمل درست ہوتا؟

گیارھواں متکلم: یہ کہاں سے ثابت ہے کہ دعوت اسلام کے آغاز میں حضرت علیؑ بالغ تھے اس لیے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ دعوت اسلام کے آغاز میں آپؑ نابالغ تھے اور نابالغ بچے کا اسلام معتبر نہیں ہوتا؟

مامون: یہ امر دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو حضرت علیؑ اس وقت ان لوگوں میں سے تھے جن کی طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تھے تاکہ انہیں دعوت ایمانی دیں اگر ان میں سے تھے تو مکلف تھے اور اتنی قوت رکھتے تھے کہ فرائض کو ادا کرسکیں۔

اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت علیؑ اس وقت ان لوگوں میں سے تھے جن کی طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث نہ ہوئے تھے تو پھر یہ الزام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے فرد کو دعوت ہی کیوں دی جس کی طرف وہ مبعوث ہی نہ ہوئے تھے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔

''اگر رسولؐ ہماری نسبت کوئی جھوٹ بات بنا لیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے''۔[1]

اور غیر مکلف افراد کو دعوت اسلام دینا رسول اکرمؐ کے لیے محال اور ناممکن ہے۔

مامون کے یہ جوابات سن کر تمام متکلمین خاموش ہوگئے اور کسی نے مزید سوال کرنے کی جرأت نہ کی۔

مامون نے کہا: آپ سب اپنے اپنے سوالات کر چکے ہو اور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں بھی آپ سے چند سوالات کروں؟

سب نے کہا: جی ہاں! پوچھئے۔ آپ ہم سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟

## محدثین و متکلمین سے مامون کے سوالات

سوال: کیا ساری امت نے بالاجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نہیں کی کہ آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص عمداً کوئی جھوٹ بات میری طرف منسوب کرے گا وہ اوندھے منہ دوزخ میں جائے گا''؟

جواب: جی ہاں! یہ صحیح حدیث ہے۔

سوال: اور لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت بھی کی ہے کہ جو شخص کوئی گناہِ صغیرہ یا گناہ کبیرہ کرے اور

---

[1] الحاقہ ۴۴ تا ۴۶

پھر اس گناہ کو اپنا دین بنالے اور اس پر اصرار کرے تو وہ ہمیشہ دوزخ کے نچلے طبقوں میں ہوگا۔

جواب: جی ہاں! یہ روایت بھی درست ہے۔

سوال: اچھا یہ بتائیں کہ ایک شخص کو عوام نے منتخب کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا تو کیا اسے رسول خدا ﷺ کا خلیفہ کہنا درست ہے؟ جب کہ اسے نہ تو رسول خدا ﷺ نے خلیفہ بنایا اور نہ ہی خدا نے اسے اپنا خلیفہ منتخب کیا۔

اور اگر آپ یہ کہیں کہ جی ہاں یہ درست ہے تو میں سمجھوں گا کہ آپ بلا وجہ ہی ضد اور مکابرہ پر اڑے ہوئے ہو۔

اور اگر آپ یہ کہیں گے کہ نہیں تو پھر آپ کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر نہ تو اللہ کے خلیفہ اور نہ ہی رسول خدا ﷺ کے خلیفہ تھے۔ کیونکہ انہیں نہ تو خدا نے خلیفہ بنایا اور نہ ہی رسول خدا ﷺ نے انہیں خلیفہ نامزد کیا۔ اور آپ لوگ انہیں خلیفہ رسول کہہ کر اور اس کا مسلسل اصرار کر کے آنحضرت ﷺ پر اتہام لگاتے رہتے ہو جس کے ارتکاب پر رسول خدا ﷺ نے دوزخ کا اعلان کیا تھا۔

اچھا! آپ حضرات یہ بتائیں کہ ان دو باتوں میں سے کون سی ایک بات سچ ہے

ا۔ رسول مقبولؐ نے انتقال فرمایا تو کسی کو خلیفہ بنا کر نہیں گئے تھے۔

۲۔ حضرت ابوبکر کو خلیفۃ الرسول کہنا درست ہے۔

اب اگر آپ یہ کہیں کہ دونوں باتیں سچی ہیں تو یہ ناممکن ہے اس لیے کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اگر ان میں سے ایک بات سچ ہے تو دوسری لازماً جھوٹ ہے۔

لہٰذا آپ لوگ اللہ سے ڈریں اور اپنے دل میں سوچیں اور دوسروں کی تقلید مت کریں اور شک وشبہ میں نہ پڑیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جس کو سوچ سمجھ کر صحیح انجام دیا جائے اور جس عمل کی صداقت کا یقین ہو کہ یہ حق ہے۔

اور سنو! شک وشبہ اور اس کا تسلسل خدا کا انکار ہے اور ایسا شخص دوزخ میں جائے گا۔

بتائیں کیا یہ درست ہے کہ آپ میں سے کوئی شخص ایک غلام خریدے اور وہ غلام آقا و مالک بن جائے اور آقا و مالک اس کا غلام بن جائے؟

جواب: نہیں! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

سوال: اگر یہ نہیں ہوسکتا تو بھلا یہ کیسے ہوگیا کہ آپ نے اپنے حرص اور ہوائے نفس کی خاطر ایک فرد پر اجماع کر کے خلیفہ بنایا اور وہ آپ لوگوں پر خلیفہ اور حاکم ہوگیا۔ حالانکہ آپ نے ہی اسے حاکم و والی بنایا ہے اور اس کے خلیفہ ہونے سے پہلے آپ ہی اس کے حاکم اور والی تھے اور اب وہ آپ پر حاکم ہوگیا۔ اور آپ لوگ اسے خلیفہ رسولؐ کے نام سے یاد

کرنے لگے اور جب آپ اس سے ناراض ہوئے تو اسے قتل بھی کر دیا جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ برتاؤ کیا گیا۔

جواب: بات یہ ہے کہ امام دراصل مسلمانوں کا وکیل ہوتا ہے اور جب تک مسلمان اس سے راضی رہے اس کو اپنا امام اور والی بنائے رکھا اور جب وہ ان کی توقعات پر پورا نہ اترا تو اس کو معزول کر دیا۔ اس میں کیا برائی ہے؟

سوال: اچھا! یہ بتاؤ یہ سارے بندے، سارے مسلمان اور سارا ملک کس کا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ہے۔

سوال: تو پھر آپ وکیل بنانے کا حق اللہ تعالیٰ کو دینے پر آمادہ کیوں نہیں ہیں اور خدا کا حق اپنے ہی ہاتھ میں رکھنے پر اصرار کیوں کر رہے ہیں۔ کیونکہ کسی کی ملکیت میں کسی دوسرے کو مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اسے تاوان دینا پڑتا ہے۔

اچھا! آپ حضرات یہ بتائیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تھے تو وہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کر گئے تھے یا نہیں؟

جواب: نہیں! کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔

سوال: خلیفہ نامزد نہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ہدایت پر چھوڑا تھا یا گمراہی پر؟

جواب: ہدایت پر

سوال: پھر امت پر لازم تھا کہ وہ اس ہدایت پر قائم رہتے جس پر انہیں رسول چھوڑ کر گئے تھے اور گمراہی میں مبتلا نہ ہوتے۔

جواب: مگر امت نے تو رسول کا خلیفہ مقرر لیا۔

سوال: یہی تو نکتۂ اعتراض ہے کہ امت نے رسول کا خلیفہ کیوں بنایا جب کہ رسولؐ اس کام کو ترک کر گئے تھے اور جس کام کو رسولؐ نے ترک کر دیا ہو اور اس کا ترک کرنا عین ہدایت ہو تو مسلمانوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ کسی کو خلیفہ رسولؐ نامزد کرتے؟

اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تو پھر حضرت ابو بکر نے سنت رسولؐ کو چھوڑ کر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ نامزد کیوں کیا؟

اور حضرت عمر نے سنت رسولؐ اور سنت حضرت ابو بکر دونوں سے کیوں انحراف کیا اور انہوں نے اپنی خلافت کے لیے ایک شوریٰ کی تشکیل کیوں دی؟

تو اب خلافت کے لیے ہمیں تین مختلف اشکال دکھائی دیتی ہیں

1۔ رسول خدا کی سنت ہے خلیفہ نہ بنانا۔

2۔ حضرت ابوبکر کی سنت ہے خلیفہ مقرر کرنا۔

3۔ حضرت عمر کی سنت ہے خلافت کو شوریٰ میں مرتکز کرنا۔

تو اب آپ حضرات فیصلہ کر کے مجھے بتائیں کہ ان تین مختلف النوع اشکال میں سے کون سی شکل صحیح ہے اور کون سی غلط ہے؟

اور اگر آپ جواب میں یہ کہیں کہ سب شکلیں صحیح ہیں تو آپ کا جواب بالبداہت باطل ہوگا کیونکہ تینوں صورتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ سب کی سب بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتیں۔

اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھیں کہ جب خلافت رسولؐ کا ترک کرنا ہدایت ہے تو پھر خلیفہ رسولؐ کا منتخب کرنا گمراہی ہی ہوگا اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ خلافت رسولؐ کا ترک کرنا بھی ہدایت ہو اور خلیفہ بنانا بھی ہدایت ہو۔ کیونکہ ہدایت کی ضد ہدایت نہیں بلکہ گمراہی ہوا کرتی ہے۔

اور اس کے ساتھ مجھے یہ بھی بتائیں کہ کیا کسی نبی کی امت میں کوئی خلیفہ ایسا بھی گزرا ہے جسے تمام صحابہ نے مل کر بنایا ہو؟

اگر آپ یہ کہیں گے کہ نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے تسلیم کر لیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب لوگوں نے گمراہی پر عمل کیا۔

اور اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو اس کا مقصد یہ بنے گا کہ آپ تمام انبیاءؑ کی امتوں کو جھوٹا کہہ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''حبیبؐ! آپ ان سے کہہ دیں کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کس کا ہے؟ پھر آپؐ ان سے کہہ دیں کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے''۔[1]

آیا یہ بات سچ ہے یا نہیں؟

جواب: سچ ہے۔

سوال: تو کیا ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں وہ سب اللہ ہی کی ہیں اس لیے کہ اس نے ہی سب چیزوں کو پیدا کیا اور وہی ان سب کا مالک ہے؟

جواب: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔

سوال: پھر تو آپ کا کسی کو واجب الاطاعت خلیفہ بنالینا، اور اس کو خلیفہ رسولؐ کے نام سے یاد کرنا، اس سے ناراض

---

[1] الانعام۔ ۱۲

ہونا اور اگر وہ آپ کی مرضی کے مطابق عمل نہ کرے تو اسے معزول کر دینا اور اگر وہ معزولی پر آمادہ نہ ہو تو اسے قتل کر دینا۔ یہ سب کا سب باطل ہے۔

## مامون کی طرف سے اتمام حجت

پھر مامون نے کہا: آپ پر افسوس اور حیف ہے خدا پر جھوٹ اور اتہام نہ رکھو ورنہ قیامت کے دن خدا اور اس کے رسولؐ کے خلاف دروغ گوئی کی وجہ سے آپ کو سخت سزا ملے گی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "جو شخص مجھ پر جھوٹ منسوب کرے گا وہ اوندھے منہ جہنم میں جائے گا"۔

پھر مامون نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کر کے کہا: پروردگارا! میں ان لوگوں کو نصیحت اور ان کی ہدایت کی پوری کوشش کر چکا۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور اپنی گردن سے ذمہ داری کا بوجھ اتار دیا۔

خدایا! تو جانتا ہے کہ میں خود کسی شک وشبہ میں مبتلا رہ کر ان لوگوں کو حق کی دعوت نہیں دے رہا ہوں۔

پروردگارا! میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو تمام مخلوق میں سب سے افضل مان کر تیرا تقرب چاہتا ہوں جیسا کہ تیرے رسولؐ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی اور مامون کی زندگی میں دوبارہ اس طرح کی کوئی مجلس مباحثہ قائم نہ ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مامون کے دلائل سن کر تمام اہل مجلس خاموش ہو گئے۔

مامون نے کہا: کیا بات ہے آخر آپ خاموش کیوں ہیں؟

علماء ومحدثین نے کہا: ہم جواب دیں تو کیا دیں۔ ہمیں تو اس وقت کوئی جواب نہیں سوجھتا۔

مامون نے کہا: میری طرف سے آپ پر یہ اتمام حجت ہی کافی ہے۔

راوی کہتا ہے: ہم شرمندہ شرمندہ سے دربار مامون سے باہر آئے۔

پھر مامون نے فضل بن سہل سے کہا: یہ ان کے دلائل کی آخری حد تھی۔ یہ لوگ میرے رعب شاہی سے خاموش نہیں ہوئے بلکہ ان کے دلائل ہی ختم ہو گئے تھے اسی لیے انہیں خاموش ہونا پڑا"۔